آبیہ رفاقی

دھنک کے رنگ

چوکی پر سفید دسترخوان بچھا کر اس پر پلیٹیں، سالن کا کٹورا، دال کا پیالہ اور تھیرے ٹماٹر سلاد کی پلیٹ رکھ کر وہ روٹی اور پانی کا جگ لینے باورچی خانے گئی۔ تو شنو سر کے لیے پیاز کے لچھے کاٹ رہی تھی۔

"میں تھوڑے پاپڑ تل لوں۔" شنو نے جلدی سے کہا۔ "آج کھانے پر ہنگامہ نہ ہو جائے۔ اس لیے۔ پاپڑ بھان کو پسند ہیں نا۔ اس لیے کچھ ماحول سازگار ہونے کی توقع ہے۔" کہہ کر خود ہی شنو ہنس دی۔ اسے ہنسی بہت آتی تھی۔ سارا دن اس کی ہنسی کی جھنکار سے گھر گونجتا تھا۔

وہ روٹی اور پانی لے کر کمرے میں واپس آئی۔ تو ایک لمحے کو ٹھٹک گئی۔ سفید براق کرتا پاجامہ پہنے چھ فٹ کے نپے تلے بال سکھاتا مون ایک دم کہیں دور دیس کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ پُرشکوہ۔ عالی شان وجیہہ اور دلکش۔ وہ نظریں جھکا کر چپ چاپ کھانے کی چوکی کے پاس آگئی۔

"چچی اماں۔ آئیے۔"

اس نے دوسرے کمرے میں بیٹھی عینک اور مہارت کے زور پر کرتا سیتی چچی کو پکارا۔ ان کے آس پاس گٹھریاں پوٹلیاں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ جانے کب سے سلائی کر رہی تھیں۔ کراستی، ہنکارے بھرتی گھٹنے پکڑے رکوع کی جیسی حالت میں چچی اماں۔ آئیں تو مون چوکی کے پاس کھڑا دسترخوان کا جائزہ لے رہا تھا۔

"یہ آج پھر لوکی پکائی گئی ہے۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"اللہ کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری قسمت کا رزق عزت کے ساتھ عطا کیا ہے۔" چچی نے سرزنش کی۔

"امی۔ میرے خیال سے کوئی کوئی باعزت کھانا نہیں ہے۔ آپ کی ضد ہے بس۔"

"توبہ کرو۔ توبہ۔" چچی اماں فرش پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ "اور آج تو لوکی بھی نہیں۔ تمہارا وہم ہے۔ یہ تو۔"

"آلو ہیں۔" شنو پاپڑ اور پیاز لیے اندر آگئی۔ جنہیں دیکھ کر مون کی بیزاری کم ہو گئی مگر شنو کے فقرہ پورا کرنے سے وہ اور بھی چڑ گیا۔ کھانا شروع ہوا۔ پہلا لقمہ لیتے ہی مون نے گھور کر شنو کو دیکھا۔ اور اس کی چوٹی کھینچ کر کہا۔ "تو یہ آلو ہیں مجھے بیوقوف بناتی ہے۔"

شنو منمنانے لگی چچی اماں نے مون کو دیکھا۔ آنکھ سے اشارہ کیا کہ کھانا کھالو۔

UrduPhoto.com

"میں نہیں کہا سکتا یہ لوکی۔ آپ کو پتا ہے مجھے پسند نہیں۔ پھر بھی ہر روز کھا لیتی ہوں۔ کبھی لوکی گوشت کبھی لوکی کا رائتہ۔ لوکی کی بھجیا کبھی کدو اور دال۔ ہونہہ۔" اس نے منہ پھلا کر کھانے سے ہاتھ روک لیا۔

"ابھی باجی بھی کھانا کھا کر گیا ہے۔" چچی اماں نے بگڑ کر کہا۔ "آلو بتایا کہ آلو ہیں۔ اس نے چپ چاپ کھا لیا۔ تو کہاں کا شہزادہ ہے جو روز نخرے کرتا ہے۔"

اس نے اپنے سراپا پر نظریں ڈال کر سادگی سے کہا "اور کیسے ہوتے ہیں شہزادے؟"

"جبھی میں کہوں کہ یہ آلو گوشت بھی بالکل لوکی کے مزے کا کیوں ہے۔" باجی دروازے میں کھڑا تھا۔ اماں نے دو بلیں کیا لگا لی ہیں۔ کہ رات اور دن اسی کے پکنے پر زور لگائے رہتی ہیں۔"

"اے ہے۔ میری بیلوں سے تو سیروں کی اترتی ہے محلے بھر میں بانٹتی ہوں۔ کبھی کبھار گھر میں بھی پک جاتی ہے۔" چچی اماں نے فخریہ انداز میں کہا۔

"تو آپ نے مالٹا کیوں نہ لگایا۔ لیچی کا پیڑ ہی لگایا ہوتا محلے والے بھی یاد کرتے۔ لگائی تو بد مزہ چیز۔"

"توبہ کر بچے توبہ کر۔ کتنے لوگ ہیں جن کو یہ بھی میسر نہیں مفت کی چیز ہے نا۔ اس لیے قدر نہیں۔"

"مت پکایا کریں یہ۔ اس سے بہتر ہے ہم چٹنی سے روٹی کھا لیں۔"

"پھر وہی۔ بڑے کہیں کے نواب زادے۔ جتنی کمائی ہو گی۔ ویسی ہی نعمت ملے گی۔"

مون منہ پھلائے بیٹھا تھا۔ پانی کا گلاس چڑھا کر بولا۔

"ہر چیز میں تو آپ برکت پیدا کرتی ہیں۔ کمائی میں برکت نہیں ہوتی۔"

"اے بیٹا پھر مہنگائی میں جو دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے۔ تو کمائی میں برکت کہاں سے ہو۔ چل میرا چاند۔ کفران نعمت نہیں کرتے۔ اللہ خفا ہوتا ہے۔ شکر ادا کر اور کھا لے۔" مون نے ہاتھ بڑھایا۔ پلیٹ میں جتنے لوکی کے ٹکڑے آلو کے دھوکے میں اس نے نکالے تھے وہ بھی سے مونا کی پلیٹ میں ڈال دیے۔ جو خود بھی لوکی سے چڑتی تھی۔

"یہ آج تمہیں کیوں سانپ سونگھا ہوا ہے۔" مون نے مونا سے پوچھا۔ وہ سر جھکائے کھانا کھاتی رہی۔

"فردوسی خالہ کا خط آیا ہے۔" شنو نے کہہ کر پلیٹ میں رکھ دیے۔

"میں بھی پاپڑ لوں گا۔" باجی نے دور سے ہانک لگائی اس نے جو دسترخوان پر پاپڑ دیکھے تو اچھل پڑا۔

"واہ مجھے کھلاوی ہیں پاپڑ۔ بھلی لوکی۔ لوکی کہاں سب کھا رہے ہیں پاپڑ کرارے۔"

"لو۔ تم بھی کھا لو پاپڑ کرارے۔" شنو نے پلیٹ باجی کی طرف بڑھا دی۔

"کیا لکھا ہے فردوسی خالہ نے۔" مون نے ابٹن اٹھا کر سے پوچھا۔

"لکھا ہے تمہیں گئے بہت عرصہ ہو گیا۔ اب آجاؤ یاد کرتے ہیں۔ اور۔ شہلا کے امتحان ہو رہے ہیں۔ میں بیمار ہوں۔" شنو نے تیزی سے خط کا مضمون بتایا۔

"تمہارے نام تو خط آیا نہیں ہے۔" باجی پاپڑ کھاتے بولا۔ "جواب تم ہی دے رہی ہو۔ مونا کو بھی بولنے کا موقع کیوں بھان؟"

"کیا ارادہ ہے پھر؟" مون نے پوچھا۔ "کیا جواب دو گی؟"

"دکھتی ہیں۔ اب چلی ہی جاؤں۔ بہت دن ہو گئے یہاں آئے فردوسی خالہ یاد کر رہی ہیں۔ برا نہ مان جائیں۔" شنو نے پھر کہہ دیا۔ مون نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور کھڑا ہو گیا۔

چچی اماں روکتی رہیں۔ "ارے کھانا تو کھا لے بچے۔" وہ صحن میں آکر تیزی سے سائیکل گھسیٹتا باہر چلا گیا۔ چچی اماں نے سر تھام کر کہا۔ "الٰہی توبہ۔ اس لڑکے کی تو کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

رات بڑی سہانی تھی۔ مولسری کی میٹھی خوشبو رات کی رانی کی مہک میں مل کر ایک نشہ آور فضا کو جنم دے رہی تھی۔ زمین پر پانی کے چھڑکاؤ سے سوندھی سوندھی خوشبو ایک خنک احساس پیدا کر رہی تھی۔ صحن کے اوپر آسمان نیلا آسمان۔ جگمگ کرتے لاکھوں روشن ستاروں سے اٹا پڑا تھا۔ صراحی کا ٹھنڈا خوشبودار میٹھا پانی پینے میں بہت مزا آرہا تھا۔ سب بستروں پر لیٹے تھے۔ چچی اماں کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ نیند کی جھونک میں ہاتھ کا پنکھا گر جاتا۔ وہ چونک اٹھتیں۔ "مون آیا کہ نہیں۔" وہ ہر بار ایک ہی سوال کرتیں اور ہر بار انکار سن کر وہ کروٹ بدل کر بڑبڑاتیں۔ "الٰہی حفاظت کیجیو۔" اور پھر ہلکے ہلکے خراٹے خاموش فضا میں

UrduPhoto.com

بولنے لگتے سائیکل کی کھڑ بڑ سے "چچی اماں جاگ اٹھیں" آ گیا ہوں۔ الٰہی تیرا شکر۔ شنو بھائی کو کھانا دے دے۔" کہہ کر وہ پھر سو گئیں۔ شنو بھی گہری نیند میں تھی۔ مونا چپکے سے اٹھی۔ باورچی خانے جا کر کھانا نکال کر کشتی میں رکھ کر باہر جانے لگی تو وہ دروازے پر کھڑا تھا۔

"نہیں کھانا۔" وہ غرایا۔

"یہ صبح والا کھانا نہیں ہے۔ دال چاول، پاپڑ اور پودینے کی کھٹی چٹنی۔"

"نہیں چاہیے۔ چٹنی وٹنی۔"

"پھر کیا کھاؤ گے۔؟"

"تمہیں کھاؤں گا۔ اوپر جا رہا ہوں۔" وہ مڑا اور صحن میں چلا گیا۔ پھر زینے پر اس کے قدموں کی دھمک سنائی دی۔ مونا بھی چپ چاپ کھانے کی کشتی لیے اوپر چلی گئی۔

ٹھنڈی سفید چادر پر وہ لیٹا تھا۔ خوبصورت۔ اور عالی شان۔ "اٹھو۔ کھانا کھا لو۔" اس نے نرمی سے کہا۔ اس کے مقابلے میں وہ احساس کمتری کا شکار رہتی تھی۔

"تم کب جا رہی ہو خالہ فردوسی کے گھر۔ سب یاد کر رہے ہیں۔ تم بھی سب کو یاد کرتی ہو گی۔" وہ تلخی سے بولا۔

"دیکھو چچی اماں نے کہا ہے۔ تو میں کھانا لائی ہوں۔"

"دیکھو چچی اماں نے کہا ہے۔ تو میں تمہاری نوکر نہیں ہوں کہ کشتی لیے؟" اس نے بگڑ کر کہا۔ "میں تمہاری نوکر نہیں ہوں کہ کشتی لیے کھڑی رہوں۔ اور نخرے اٹھاتی رہوں۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کشتی اس کے ہاتھ سے لے کر پلنگ پر رکھتے ہوئے بولا۔ "ہاں جی۔ اب ہمارے نہیں شکوے یہاں کے نخرے اٹھانے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔"

وہ چپ رہی۔ وہ بڑبڑاتا رہا۔ جب خالی برتن لے کر جانے لگی۔ زینے کے پاس پہنچی تھی کہ پیچھے سے آواز آئی۔

"لکھ دو خالہ فردوسی کو۔ اب وہاں کوئی نہیں جائے گا۔" وہ مسکراتی نیچے اتر آئی۔ شنو اسی طرح بے خبر سو رہی تھی۔ ہانی بدستور اسی طرح لیٹی تھیں۔ ہانی کونے میں ٹیبل لیمپ جلائے پڑھ رہا تھا۔ وہ پلنگ پر لیٹی تو کچھ دیر پہلے والی خفگی غائب ہو چکی تھی۔ خالہ کو انکار لکھنا ان کے غضب کو دعوت دینا تھا مگر مون کو اس بات سے کیا غرض۔ شاہوں کی طرح حکم چلانا ہی اس کی فطرت تھی۔ شروع میں جب وہ یہاں آئی تھی تو سب لوگوں کی عادتیں عجیب لگیں۔ خالہ فردوسی اور ان کے گھر والوں کے سلوک اور رویے کی ستائی زخمی احساس لیے

جب وہ ان کے گھر پہنچی تو سب نے اس کا کھلے دل سے استقبال کیا۔ مگر وہ بہت دن اکتائی اکتائی رہی۔ بے تکلفی پیدا نہ کر سکی۔ گو کہ شنو اس کے آگے پیچھے پھرتی۔ ہانی بھی دل بہلاتا رہتا۔ مگر مون کا حکمرانہ لہجہ۔ چچی اماں کی طنزیہ گفتگو اور فقرے بازی اسے بار بار زخمی کر دیتی مگر وہ سب کچھ سننے سہنے پر مجبور تھی۔

اس کا کوئی گھر نہ تھا۔ اس کے ماں باپ نے اس کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا امی تو خیر بہت پہلے ہی اسے چھوڑ کر دور چلی گئی تھیں۔ اسے کچھ کچھ یاد تھا۔ وہ افریقہ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ بڑے صحن کا چھوٹا سا گھر تھا۔ مگر خوب روشن اور ہوادار۔ صحن میں ناریل کے درخت تھے۔ امی بیمار رہتی تھیں اور ابا کو کام کے سلسلے میں اکثر باہر رہنا پڑتا۔ ان کے ہاں ایک موٹی سی افریقن انا تھی اور ایک چھوٹا فلپائنی لڑکا جو دوڑ دوڑ کر کام کرتا۔ امی بیماری کی وجہ سے چڑچڑی اور کمزور ہو گئی تھیں۔ وہ ان سے دور رہتی۔ جب فلپائنی کو کام سے فرصت ملتی۔ وہ دونوں صحن میں خوب کھیلتے۔ حتیٰ کہ موٹی افریقن انا اس کے سر پر سوار ہو جاتی کہ چلو فلاں کام کرو اور مونا پر خفا ہوتی کہ وہ اس مسٹنڈے کے ساتھ کیوں کھیلتی ہے۔ مونا اس کی زبان اچھی طرح سمجھتی تھی مگر فلپائنی ہمیشہ یہ عذر کرتا کہ وہ افریقن کی زبان نہیں سمجھتا۔ اس لیے پورا کام اس موٹی کی مرضی کا نہیں ہوتا۔

پھر ایک دن امی ختم ہو گئیں۔ ان کا بستر باہر صحن میں ایک تخت پر رکھ دیا گیا اور سفید چادر ان پر ڈال دی گئی۔ وہ پوری طرح ڈھانک دی گئیں پھر بھی افریقن انا ان کے پاس کھڑی مکھیاں اڑاتی رہی اور فلپائنی گھر آئے مہمانوں کو پانی پلاتا رہا۔ ابا سر جھکا کر بیٹھے تھے۔ اور گھر میں اداسی کا اندھیرا اترتا رہا۔ پھر بہت دن وہ تنہا رہی۔ بغیر امی کے اسے تنہائی کا شدید دکھ تھا۔ افریقن اور فلپائنی کے باوجود وہ خود کو تنہا سمجھتی رہی بیزاری اور چڑچڑاپن اور گھر کے سناٹے نے ابا کو مجبور کر دیا اور وہ اسے لے کر اپنے رشتے داروں میں اپنے وطن آ گئے۔ اور خالہ فردوسی مونا کو لے کر اپنے گھر آ گئیں۔ ابا پھر افریقہ واپس چلے گئے۔ خالہ فردوسی کے ہاں اس کا بچپن بہت تکلیف میں گزرا۔ اجنبی سے چہرے اور نامانوس ماحول۔ اس کی تنہائی میں اضافہ ہی ہو گیا تھا۔ ابا تھے نہ موٹی انا۔ نہ فلپائنی لڑکا جن کے سامنے وہ روتی جھگڑتی اور وہ اس کی ضدیں پوری کرتے۔ یہاں تو لے

دے کے ایک خالہ فردوسی تھیں۔ وہ بھی اپنے گھر اور بچوں میں مشغول رہتیں۔ کبھی کبھی چھوٹے چچا آتے۔ اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ مونا ان کے گھر بہت خوش رہتی۔ ان کی بیٹی مونا کا ہیت خیال رکھتی اور مونا کی اس سے پکی دوستی ہو گئی۔ مگر چھوٹے چچا اسے اپنے گھر مستقل نہیں رکھ سکے۔ جانے کیوں۔ وہ خالہ فردوسی کے ہاں رہنے پر مجبور کر دی جاتی۔

کئی برس کے بعد ابا پھر آئے۔ وہ بہت خوش ہوئی انہوں نے ایک گھر کرائے کا لے لیا اور مونا کو ساتھ لے گئے شروع میں وہ بہت خوش تھی۔ مگر بعد میں اسے بہت تکلیف ہوئی۔ اسے گھر کا سارا کام خود کرنا پڑتا۔ دن بھر تنہا رہنا پڑتا۔ اور بعض دنوں میں انہیں کھانے پینے کی بھی کمی ہو جاتی۔ ابا اسے لپٹا کر لیٹ جاتے۔ اور کہانیاں سناتے۔ مگر بھوک کی وجہ سے اُسے نیند نہ آتی۔ وہ رونے لگتی۔ وہ دکھوں کا زمانہ تھا۔ ابا بے حد رنجیدہ اور پریشان رہتے۔ پھر وہ خالہ فردوسی کے ہاں پہنچا دی گئی۔ اور ابا کہیں چلے گئے۔

اس بار خالہ نے اس کے ساتھ بہت سخت رویہ اختیار کیا۔ اس سے دن بھر کام لیا جاتا۔ اور خوب برا بھلا کہا جاتا۔ خالہ کے بچے بھی اپنا سب کام اس سے کرواتے اور مارنے پیٹنے سے بھی گریز نہ کرتے۔ خالہ فردوسی اسے سناتی رہتی تھیں کہ اتنی مہنگائی کے زمانے میں وہ اس کا خرچ برداشت کر رہی ہیں۔ تو یہ ان کا احسان ہے۔ ورنہ کون کسی کی پرواہ کرتا ہے۔ ابا ایسے غائب ہوئے کہ برسوں ان کی اطلاع نہ آئی۔ خالہ اپنی اولاد کے مقابلے میں اس پر ہر زیادتی روا رکھتیں۔

جانے ان کی پہلی والی محبت اور شفقت کہاں چلی گئی تھی۔ بہت زیادہ نہیں تو کچھ تو خیال وہ پہلے کر ہی لیتی تھیں اس کا۔ مگر اب تو ان کو اس سے چڑ سی ہو گئی تھی۔ وہ اسے ایک منٹ بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھیں۔ ہر وقت ڈانٹتی رہتیں شاید اس لیے کہ اب ابا کی طرف سے ہر ماہ منی آرڈر آنے بند ہو گئے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ شکیل بھائی نے اس میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ مونا کی اور بھی شامت آ گئی۔ خالہ اس پر اپنے بیٹے کو پھنسانے کا الزام رکھ کر گندی گندی باتیں کرتیں۔ وہ منہ چھپا کر روتی رہتی اور شکیل بھائی کی بے جا نوازشات سے گھبرا کر کوٹھڑی میں بند ہو جاتی۔ مگر تابکے۔ اسے گھر کا سارا کام بھی تو کرنا ہوتا تھا۔ ان دنوں کی یاد آج بھی اسے تڑپا دیتی۔ وہ رو رو کر بیمار ہو گئی۔ تو چھوٹے چچا آئے اور اسے اپنے ساتھ لے گئے

ان کی بیٹی کی شادی ہو چکی تھی۔ وہ تنہا رہتے تھے۔ اس لیے یہاں پہنچا گئے۔ انہوں نے چچی اماں کو اس کی مظلومیت کی داستان سنائی اور کہا کہ اسے اسکول میں داخل کروا دیا جائے جاتے جاتے مونا کے سر پر پیار کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "یہاں تم خوش رہو گی۔ مجھے یقین ہے۔ پھر بھی کوئی تکلیف ہو تو مجھے لکھنا۔"

ہانی نے ایک بار پوچھا "اماں منجھلے چچا تو سنا ہے لفافے میں کسی سونے کی کان میں حصہ دار تھے کہاں گئی وہ کان۔ کچھ تو لائے نہیں۔"

چچی اماں تلملا گئیں۔ بولیں "نہ سونے کی کان۔ نہ ہیرے کے ہاتھ پاؤں وہ اپنی ناک ہی لے کر آ جائیں تو غنیمت جانو۔"

چچی اماں ہمیشہ دل جلانے والی طنزیہ باتیں کرتیں۔ ایسے یہ الجھاوے والی اشارے کنائے والی باتیں بہت پریشان کرتی تھیں۔ بدن میں آگ لگانے والی باتیں۔ خالہ فردوسی کو کوجو کچھ کہنا ہوتا۔ صاف کہتیں "چھوڑ کر چلے گئے اپنا دلدر۔ زندگی بھر کمایا۔ لاکھوں کمایا کروڑوں لٹایا۔ بیٹی ہمارے منے مار گئے۔ ہم بھی بچوں والے ہیں۔ کہاں سے ضرورتیں پوری کریں آج پرورش کی ہے کل شادی بیاہ ہو گا۔ کون دے گا خرچ ہم نے تو محبت میں رکھ لیا تھا۔ کیا زندگی بھر محبت کرنے کا جرمانہ بھریں گے۔؟"

خالہ فردوسی کے میاں کروڑ پتی نہ سہی لکھ پتی تو ہوں گے مگر دونوں میاں بیوی کا دل زبان کی طرح کالا تھا۔ چھوٹا دل وہ بھول چکے تھے کہ کبھی مونا کے ابا کے منی آرڈر آتے تھے اور اسی پر سارا گھر پرورش پاتا تھا۔ اب اچانک چند سالوں سے ان کے کاروبار میں زبردست منافع ہو گیا تھا۔ پھر بھی انہیں مونا کا وجود بھاری لگتا تھا۔ مگر چچی اماں یوں تو بہت خیال کرتی تھیں بالکل شنو کی طرح اسے چاہتی تھیں لیکن ان کی الجھی باتیں با محاورہ ——— فقرے بازی اسے پریشان کر دیتی مون تھا کہ ——— شروع سے بے تکلف حکم چلاتا رہتا ادھر آؤ ادھر بیٹھو۔ وہاں جاؤ۔ یہ کرو۔ یہ نہ کرو۔ وہ اس کے احکامات پر عمل کرتی۔ مگر شکیل کے تلخ تجربے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہونے یا بات کرنے کی ہمت نہ کرتی۔ وہ تو ہانی سے بھی الگ الگ رہتی تھی۔ جو اس سے شاید دو سال ہی بڑا ہو گا۔ بے حد چلبلا اور خوش مزاج تھا۔ وہ روز نئے نئے تجربے گھر میں کیا کرتا۔

UrduPhoto.com

ایک روز اس نے مونا کو بتایا کہ اس کے ایک پروفیسر نے ایک عمل سکھایا ہے۔ جس کے کرنے سے وہ لوگوں کی قسمت اور مستقبل کا حال بتا سکتا ہے۔ مونا تو اپنے ماضی اور مستقبل سے مایوس تھی ہی اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ کمرے میں پردے ڈال کر تاریکی کی گئی۔ ایک سفید کاغذ اور تین رنگ کی پنسلیں لے کر وہ آمنے سامنے بیٹھے۔ کاغذ اس نے زمین پر پھیلا دیا۔ اور مونا کو بھی آنکھیں بند کرنے کی تاکید کی۔ پھر وہ کاغذ پر سرخ پنسل سے مختلف ترچھی ٹیڑھی لکیریں بناتا رہا۔ جب آدھا کاغذ ان لکیروں سے بھر گیا تو جیب سے ایک اٹھنی نکال کر اس نے مونا کے ہاتھ میں دی۔

"یہ تو پچاس پیسے ہیں" مونا نے تعجب سے کہا۔

"اوہو بھئی بولو مت۔ اسے ہم اٹھنی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ عمل اس زمانے کا ہے جب اٹھنی چونی کو اٹھنی چونی ہی کہتے تھے۔ پچاس پیسہ پچیس پیسہ نہیں کہتے تھے۔" پھر اس نے مونا کو بتایا کہ اس اٹھنی کو پہیے کی طرح ماتھے سے لے کر ٹھوڑی تک چلاتی ہوئی لائے اور پھر کاغذ پر گرا دے۔ ایک دفعہ۔ دو دفعہ اس کے بعد پھر نو دفعہ یہ پیسہ ماتھے سے ٹھوڑی تک چل کر کاغذ پر گرتا رہا۔ اس کے بعد ہانی نے سبز پنسل سے اسی کاغذ پر بے شمار لکیریں بنائیں اور اب وہ پیسہ اکیس مرتبہ ٹھوڑی سے کاغذ پر گرایا گیا۔ اب سبز پنسل نے سارے کاغذ پر اپنا رنگ پھیلا دیا تھا۔ اور اس بار اٹھنی کا ماتھے سے ٹھوڑی تک پچیس بار چلا اور تین رنگ کی لکیروں سے بھرے کاغذ پر گرایا گیا۔ آخر مونا نے آنکھیں کھول کر امید نظروں سے ہانی کو دیکھا جو ایک سبز شیشے کی عینک اس کی طرف بڑھا کر کہہ رہا تھا۔ "لو۔ اب اسے پہن لو۔ باہر بہت روشنی ہے کچھ دیر پہنے رہنا۔"

"اور میری قسمت۔ وہ تو بتایا نہیں۔"

"بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں۔" ہانی کاغذ پنسل سمیٹتے ہوئے بولا "بس یوں سمجھ لو۔ ایک شہزادہ آئے گا۔ اور تم اس کے ساتھ چلی جاؤ گی۔ وہ تمہاری قسمت کا مالک ہو گا۔ ملک ہو گا پرستان۔"

"توبہ۔" وہ جھینپ گئی "میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔ میں تو جاننا چاہتی تھی کہ میرے حالات کب بدلیں گے۔ ابا کہاں ہیں۔ کب آئیں گے۔"

"تمہاری قسمت کا حال بتا تو دیا۔ تمہارے ابا کا معلوم

کرنے کے لیے ایک بار پھر یہی عمل کرنا ہوگا۔" کہہ کر اور اسے حیران چھوڑ کر وہ چلا گیا۔ وہ باہر آئی تو مون کی سائیکل صحن میں دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ وہ آگیا ہے۔ شنو باورچی خانے میں تھی۔ اسے دیکھ کر ہنسنے لگی۔ ہنستی ہی چلی گئی۔

مون نے کمرے کی کھڑکی سے جھانکا۔ "ارے شنو کیا بات ہے؟" وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ "بھان۔ ہانی بھیا نے مونا کی قسمت کا حال اپنے عمل کے ذریعے معلوم کیا ہے۔"

"اچھا۔" مون کی اشتیاق بھری آواز سنائی دی۔

"ادھر آؤ مونا۔" وہ پریشان کھڑی کمرے میں مسکراتے مون اور باورچی خانے میں قہقہے بکھیرتی شنو کو دیکھ رہی تھی۔ مون اسے بلاتا رہا۔ کوئی بات تھی ضرور۔ جو اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی وہ اپنی جگہ جمی کی جمی کھڑی تھی۔ چچی اماں ادھر سے گزریں۔ تو انہوں نے اسے بغور دیکھا پھر طنز سے بولیں۔ "کیا رنگ اور کیا ڈھنگ ہے۔ یہ آج کی نسل کدھر جارہی ہے میرے خدا۔" ان کا لہجہ استعجابیہ تھا۔ وہ سراسیمہ سی چچی اماں کو دیکھتی رہی سبز شیشوں کی عینک میں سے چچی اماں کا چہرہ مہندی رنگ کا نظر آتا تھا۔ آنکھیں گہری اودی اور بال مونگیا۔

"امی۔" شنو ہنستے ہوئے بولی۔ "یہ ہانی بھیا کا کمال ہے انہی نے وہ عمل کیا ہے۔"

ڈیوڑھی میں کسی پڑوسن کی آواز آئی جو پوچھ رہی تھیں کہ گھر والے گھر میں موجود ہیں یا نہیں۔ ادھر چچی اماں نے اپنی موجودگی کی گواہی دی ادھر مون چھلانگ لگا کر باہر آیا اور گھسٹتا ہوا۔ اسے کمرے میں لے گیا۔ وہ اور بھی سہم گئی۔ مون نے ایک چھوٹا آئینہ لاکر اس کو دیا۔

"لو۔ ذرا اپنی قسمت کے رنگ اپنے چہرے پر تو دیکھ لو۔"

باہر سے شنو کے کھلکھلانے کی آواز آئی اس نے ڈرتے ڈرتے آئینے کی طرف دیکھا، پھر مون کی طرف وہ ہلکے تبسم کے ساتھ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک مونا کو بے چارگی کا احساس ہوا۔ وہ منہ چھپا کر رو دی۔ اس کا چہرہ سرخ سبز نیلی لکیروں اٹا پڑا تھا۔ پچاس پیسے کے سکے کے کنارے کتنی کتنی لکیریں، وہ ہانی سے بہت لڑی۔ وہ ڈھٹائی سے ہنستا رہا۔

"پڑھتے پڑھاتے ہو نہیں، ان ہی خرافات میں دل لگا رہتا ہے۔" وہ بھنائی۔

"تمہیں کیا پتا پڑھتا ہوں کہ نہیں، دکھا کر پڑھنا مجھے پسند نہیں۔"

"جی ہاں۔ انگلش جناب کی اپنی خراب ہے۔" شنو نے بھی اعتراض کیا۔

"ارے انگلش کی ہمیں کیا پروا۔ وہ تو ہماری پادری زبان ہے۔" ہانی کسی سے ہار ماننا نہیں جانتا تھا۔

"پادری۔" مونا نے دہرایا۔ "یہ مادری تو سنا ہے۔"

"ہاں تو اور کیا۔ اردو مادری انگلش پادری۔ وہ ایسے کہ کیپن میں ہم نے کالونٹ میں پڑھا ہے وہاں پادری صاحب لیکچر دیتے تھے اور ان کی زبان انگلش ہی ہوتی تھی۔"

وہ لوگ بے حد کھلنڈرے، بے فکرے اور ہنس مکھ تھے بونا کی بے بسی اور محرومیوں کا انہیں یا تو اندازہ نہ تھا یا وہ اس کے غم کو نظر انداز کرتے تھے مونا کو خوش کرنے کے لیے بھی شاید وہ مزاحیہ انداز میں پیش آتے تھے مگر وہ اپنے غموں کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا کوئی گھر نہ تھا۔ ماں کو خدا نے اٹھا لیا۔ باپ جانے کہاں چلے گئے۔ اسے دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنی تھی اور جانے کب تک لوگوں کی ترس اور رحم بھری نظروں کا سامنا کرنا تھا۔ اسے اپنا گھر یاد آتا تھا۔ ابا کی شفقت یاد آتی۔ کاش ایک جھونپڑی ہوتی، وہ وہاں ابا کے ساتھ خوشی کے ساتھ رہتی۔ لوگوں کے طعنوں طنز بھرے چہرے نامہربان رویے اور ترحم آمیز جملے سننے کو نہ ملتے۔ وقت نے اسے مایوسیوں کے سوا اور دیا بھی کیا تھا۔ وہ ہر وقت ابا کی آمد اور خیریت کی دعا کرتی رہتی۔ انہی پر اس کے مستقبل اور اس کی خوشیوں کا انحصار تھا۔

مون نے پولی ٹیکنیک سے کئی طرح کے کورس کیے تھے ساتھ ہی وہ کالج میں بھی پڑھتا رہا۔ اب اس نے ایک کار ورکشاپ کھول لیا تھا۔ رفتہ رفتہ آمدنی بڑھ رہی تھی وہ ماہر کاریگر تھا۔ کبھی کبھی مقررہ رقم سے بڑھ کر آمدنی ہوتی، تو وہ اپنی ماں، بہن اور بھائی کے ساتھ مونا کے لیے بھی تحائف لاتا۔ اور کبھی انہیں نقد رقم دے دیتا کہ وہ اپنی پسند سے اپنی ضرورت کی چیز لے آئیں۔ شنو کو سینڈلوں کا بہت شوق تھا۔ وہ مونا کو ساتھ لے جاکر گھنٹوں دکان، دکان گھوم کر اپنی پسند کے سینڈل خریدتی۔ مون پوچھتا۔ "مونا تم نے کیوں نہیں کوئی سینڈل لے لیا۔" وہ کہتی۔

"میرے پاس دو ایک سینڈل ہیں تو، ضرورت نہیں تھی۔"

ہانی نقمہ دیتا۔ اس کے علاوہ شنو کے سینڈل بھی اسی
ہیں۔"
شنو کھلے دل سے کہتی۔ "ہاں ہاں، جب بھی تمہیں جوگنگ کی ضرورت
ہوگی میں اپنے سینڈل دے دوں گی مونا کو۔"
مونا اداس ہو جاتی۔ اسے لگتا سب اس پر رحم کھاتے
ہیں۔ ضرورت مند سمجھتے ہیں۔ لیکن کیا کرتی۔ اس کی کوئی آمدنی تھی،
نہ دوسرا کوئی سہارا۔ خالہ فرودسی خط پہ خط لکھ کر اسے بلاتی رہتی
تھیں۔ کبھی یہ نہ ہوا کہ کچھ رقم ہی اسے بھیج دیتیں۔ آخر اس کے
ابا نے پہلے ہزاروں لاکھوں روپے انہیں بھیجے تھے۔ مونا جانتی
تھی ابا جب بھی آئیں گے سب لوگوں کے قرض ادا کر دیں گے۔
کسی کا احسان باقی نہیں رکھیں گے۔
مگر کب۔۔۔ کب آئے گا خوشیوں کا دن؟
احسانات کے بوجھ تلے اس کے دل پر جو زنگ لگ رہا
ہے، وہ کب صاف ہوگا۔ انتظار۔ انتظار۔ کبھی کبھی اسے لگتا کہ
انتظار کبھی ختم نہ ہوگا۔ وہ یونہی آس امید کی لہروں میں تیرتی رہے
گی، بہتی رہے گی، تھک جائے گی اور ڈوب جائے گی۔ یا شاید
کبھی کنارا مل جائے۔ وہ چاہتی تھی، جو ہونا ہے ہو جائے جلدی
سے۔ صبر و برداشت نے اسے تھکا دیا تھا۔ انتظار کے حوصلہ شکن
لمحے اس کے وجود کو نچوڑ رہے تھے۔ اور پھر بھی وہ زندہ تھی،
اس کے چراغ جلائے۔
ایک دن مون آیا تو کچھ پریشان سا تھا۔ ادھر کئی دن سے
وہ خاموش خاموش تھا۔ گھر میں بھی زیادہ وقت نہ گزارتا۔
دن کو تو کھانے پر آنا چھوڑ ہی دیا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید
ورکشاپ میں کام بڑھ گیا ہے۔ ایسا ہوتا ہی رہتا تھا۔ وہ اکثر
میں دھلے ہوئے کپڑے ڈوری پر پھیلا رہی تھی۔ مون نے قریب
آکر کہا۔
"ذرا باہر کے کمرے میں چلو، کوئی صاحب تم سے ملنے آئے ہیں۔"
وہ حیرانی سے اسے دیکھتی رہی۔
"مجھ سے ملنے۔ کون؟"
"وہ۔۔۔ تمہارے ابا کے پاس سے آئے ہیں منجھلے چچا۔"
بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ ایک چیخ مار کر دوپٹے
سے ہاتھ پونچھتی باہر کے کمرے کی طرف لپکی۔ صحن کی تیز روشنی
سے نیم تاریک۔ کمرے میں داخل ہونے پر چند لمحے تو وہ وہاں کچھ
دیکھ نہ سکی۔۔۔ ذرا نظریں مانوس ہوئیں تو درمیان میں ایک لمبے
تڑنگے حبشی کو کھڑے دیکھا جو اس کی بدحواسی کو بڑی دلچسپی سے
دیکھ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر ہلکا سا تبسم تھا۔ اس کے سفید دانت
شیشے کی طرح چمکیلے تھے۔ وہ اور بھی بدحواس ہو گئی تھی۔ تبھی
مون اندر آگیا اور اس نے ان کا تعارف کرایا۔
"یہ ہیں مسٹر زندہ دل، تم سے ملنے آئے ہیں۔ یہ چچا کا کوئی
پیغام بھی لائے ہیں۔"
مونا نے مسرت بھری بے تابی سے اسے دیکھا۔ اس نے
مسکراتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لفافہ نکالا اور مونا
کی طرف بڑھایا۔ اس نے تیزی سے خط جھپٹا۔ اور کانپتے ہاتھوں
سے کھولتے ہوئے کپکپاتی آواز میں بولی۔
"ابا۔ ابا کا ہے نا؟"
لفافہ کسی طرح کھلتا ہی نہیں تھا۔ مون نے مسٹر زندہ دل
کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مونا کے ہاتھ سے لفافہ لے کر
کھولا۔ اندر سے خط نکال کر اس نے مونا کو دے دیا۔ اس نے
مضبوطی سے خط پکڑ کر اس کی تہیں کھولیں۔ مسرت، اضطراب،
اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیت نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔
اس کو الفاظ ٹھیک سے نظر نہیں آرہے تھے۔ اسے خبر نہ تھی کہ
تحریر نظر نہ آنے کی وجہ وہ آنسو ہیں جو پلکوں سے اب رخساروں
پر آگئے تھے۔ وہ ہنس رہی تھی، رو رہی تھی، پھر اس سے کمرے
میں ٹھہرا نہ گیا وہ باہر صحن میں آکر تخت پر گر گئی۔ چچی اماں اور
شنو اسے دیکھ کر باہر آئیں تو ہکلانے لگی۔
"ابا۔ ابا کا خط، وہ زندہ ہیں۔"
وہ جانے کیا کچھ کہنا چاہتی تھی، الفاظ پورے طور پر
اس کے منہ سے نکلتے ہی نہیں تھے۔ جیسے اچانک کوئی خزانہ
مل جائے۔ وہ چکرائی ہوئی تھی۔ خوشی کا بوجھ اس سے اٹھایا
نہیں جاتا تھا۔
"ارے پڑھو تو سہی۔" چچی اماں نے کہا۔ "آنے کے بارے
میں کیا لکھا ہے۔"
"آنے کا۔" وہ سنبھل گئی۔
"ہاں آنے کا، کب آئیں گے، کیا کر رہے ہیں، اتنے دن
سے کیا کرتے رہے۔ اس آدمی کے ساتھ خود ہی کیوں نہ آگئے؟"
چچی اماں نے کتنے ہی سوال کر ڈالے۔
اور مونا نے خط میں ایسی کسی بات کا جواب نہیں پڑھا
تھا۔ انہوں نے لکھا تھا۔
"میں ٹھیک ہوں۔ اب مجھ سے میری بیٹی کی جدائی برداشت
نہیں ہوتی۔ گو کہ مجھے یقین ہے کہ تم وہاں آرام سے ہوگی اور

سب تمہارا خیال کرتے ہوں گے۔ شاید تمہیں ان سب کی جدائی منظور نہ ہو، لیکن اگر سب کی رائے ہو اور تم بخوشی آنا چاہو تو مسٹر زندہ دل کے ہمراہ آجاؤ۔ تم مجھے بہت یاد آتی ہو میرے حالات ایسے ہیں کہ ابھی جلد میں یہاں سے نہیں نکل سکتا۔ شاید اگلے سال وطن آسکوں گا۔"

مونا نے خط کئی بار پڑھا۔ پھر اسے چومنے لگی۔

"میں جاؤں گی، ضرور جاؤں گی ابا کے پاس۔"

وہ پھر باہر کے کمرے کی طرف بھاگی۔ اس کے وجود میں جیسے چنگاریاں بھر گئی تھیں۔ وہ پھلجھڑی کی طرح تھرکتی ہوئی کمرے میں پہنچی تو مسٹر زندہ دل جا چکے تھے۔ مون کسی گہری سوچ میں گم بیٹھا تھا۔ اس نے خط مونا سے لے کر پڑھنا شروع کر دیا۔ خط پڑھ کر لفافے میں ڈال کر اس نے میز پر رکھ دیا۔

"اب کیا خیال ہے؟"

"میں جاؤں گی، ضرور جاؤں گی۔"

"ایک انجان شخص کے ساتھ؟" مون نے تعجب سے پوچھا۔

"انجان کیوں۔ ابا کے جاننے والے ہیں تو۔ انجان کیسے ہوئے؟"

"یہ تو انہوں نے نہیں لکھا۔" مون نے کہا۔

مونا نے میز پر سے خط اٹھا کر کئی بار پڑھا ہوا خط پھر سے پڑھا۔ اور ابا کا یہ خط اسے بہت ادھورا لگا۔ انہوں نے مسٹر زندہ دل کا تعارف نہیں کرایا تھا۔ ایک لفظ نہیں لکھا تھا، مگر وہ ابا کے واقف تھے۔ تبھی اسے کھوجتے ہوئے یہاں پہنچے تھے۔ رات کو چچی اماں نے اسے سمجھانا چاہا۔ وہ اس شخص سے مطمئن نہ تھیں۔ مونا چڑ گئی۔ "جب ابا نے لکھا ہے کہ آجاؤ، تو بس۔"

"کچھ اندازہ ہے تمہیں۔ کتنے دن میں پہنچو گی وہاں۔" مون سنجیدہ تھا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"کچھ یاد تو ہے۔ جب میں ابا کے ساتھ یہاں آئی تھی تو کئی دن بعد ہم جہاز میں بیٹھ سکے تھے کیونکہ کبھی تو جنگلوں میں پیدل چلنا پڑتا، کبھی چھپر پر، اور ایک جگہ اونٹ پر بھی بیٹھنا پڑا تھا۔ اس کے بھی بعد ہم سڑک تک پہنچے۔ جہاں سے ہم کو ایک بند لاری میں بیٹھ کر اس شہر تک آنا پڑا جہاں سے ٹرین ملی۔"

"اس کے بعد ٹرین نے وہاں پہنچایا جہاں سے جہاز ملا۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں۔" مونا نے اعتراف کیا۔

"اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ افریقہ کے اس علاقے میں ابھی تک کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی ہے۔ وہی برسوں کے حالات ہیں اور انہی گھنے جنگلوں میں آپ کو سفر کرنا ہوگا۔ کبھی پیدل کبھی کسی سواری پر اور راتیں وہیں خیمے کے اندر تقریباً جاگ کر گزارنی ہوں گی۔ جب آپ آئی تھیں بہت چھوٹی تھیں آپ کو ان خطرات کا اندازہ نہ تھا جو وہاں پیش آتے رہتے ہیں۔ خطرناک راتیں جوان جنگلوں میں گزارنی جائیں۔ جنگلی جانور اور جنگلی انسان سبھی خونخوار ہوتے ہیں۔" مون کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا لیکن وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

مونا کو الجھن ہونے لگی۔

"وہ آخر مسٹر زندہ دل بھی تو ابھی آئے ہیں اور انہیں جانا بھی ہے ہی۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور اٹھ کر دوسری طرف چل گئی۔

چچی اماں نے تھکی ہوئی آواز میں مون سے کہا۔ "اچھا، اب تم اپنے چھوٹے چچا کو بلا لو، ہمارا کام تھا سمجھانا اب آگے اس کی مرضی، مگر میں اسے کنوئیں میں گرنے نہیں دوں گی غضب خدا کا، لڑکی میں عقل نام کی کوئی چیز ہی نہیں۔"

مونا نے سنا اور جلبلا کر دانت پیسنے لگی۔ "یہ لوگ بھی شاید اسے اپنی لونڈی سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے برسوں پہلے بچھڑے باپ سے نہ ملے کیسا انصاف ہے۔ یہ تو سراسر زیادتی ہے ابھی تک تو وہ ان کی زندگی کی طرف سے ہی مایوس تھی، اچانک خوشی کی نوید ملی، ان کا خط آیا اور اب یہ لوگ اسے جانے سے روک رہے ہیں، وہ ان سے ملنے کے لیے بے تاب ہے۔ اگر صرف خط ہی آتا تو وہ تڑپ کر رہ جاتی۔ ایک ذریعہ ایسا ہے کہ اس کے ساتھ وہ ان سے جا کر مل سکتی ہے تو یہاں کسی کو زندہ دل پر اعتبار نہیں۔ زندہ دل بھی عجب نام ہے۔

صبح اس نے مون سے کہا۔

"چھوٹے چچا آبھی جائیں، تب بھی میں ابا سے ملنے ضرور جاؤں گی۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

چچی اماں موجود نہ تھیں، ہانی اسے فکرمند نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

مون نے کہا۔ "فیصلہ وہی اچھا ہوتا ہے جو قطعی ہو، بار بار ارادے بدلنے والے لوگ مجھے پسند نہیں تم تیاری کرو زندہ دل ایک ہفتہ بعد جائیں گے۔"

شام کو زندہ دل آئے تو وہ چائے بنا کر لے گئی۔ ہانی ان

سے باتیں کر رہا تھا۔ زندہ دل کی اردو بہت ہی خراب تھی — عموماً انگلش میں باتیں کرتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ دنیا کے کئی ممالک میں ان کا کاروبار ہے اور وہ زیادہ تر اپنے ملک سے باہر ہی رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی ماں بہت اداس رہتی ہے۔ ہمارے ہاں عورتوں کو باہر لے جانے کا رواج نہیں اس لیے میں مجبور ہوں۔ اب جلد سے جلد جانا چاہتا ہوں کافی دن سے نکلا ہوا ہوں۔ پاکستان اس سے پہلے بھی آچکا ہوں مگر یہاں کی معاشرت دیکھنے کا پہلی بار موقعہ ملا ہے۔"

وہ باتی سے بہت جلد گھل مل گئے تھے۔ انہوں نے مونا کو ایک خوبصورت قیمتی ہار تحفے میں دیا اور باتی کو سونے کے کلپ کا فونٹین پین۔ باتی نے بہت رد و قدح کے بعد وہ اس شرط پر لیا کہ جانے سے پہلے وہ باتی کو علم نجوم اور دوسرے علم جو اسے آتے ہیں ان کی مہارت کے مظاہرے کا موقعہ دیں گے۔ وہ انہیں قسمت کا مستقبل کا حال بتائے گا بالکل فری میں جب کہ دوسروں سے وہ قیمت وصول کر لیتا ہے۔ زندہ دل نے اگلے دن آنے کا وعدہ کیا اور پوچھا۔ "مسز ماموں کبھی نہیں ملتے، وہ کیا کرتے ہیں؟"

باتی نے لاپروائی سے کہا۔ "ارے وہ تو شہزادے ہیں ان سے ہر کوئی تو ہر وقت مل نہیں سکتا۔"

چچی اماں باتی پر ناراض ہو رہی تھیں کہ اس نے ایک اجنبی کا تحفہ کیوں لیا۔ وہ کہہ رہا تھا اس کے بدلے میں اس کی قسمت کا حال بتاؤں گا۔ بس؟

"خبردار!" چچی اماں نے کہا۔ "زیادہ واہیات پڑھانے کی ضرورت نہیں، کل وہ آئیں تو علم واپس کر دینا۔"

"ارے اماں، ان جیسے لوگوں کے لیے یہ بہت معمولی چیز ہے۔ اگر ان کی جیب سے گر جائے تو انہیں پروا بھی نہ ہو۔"

"ہمیں کیا۔ وہ گرائیں یا اٹھائیں، بس یہ واپس کر دینا۔" مونا نے بعد میں باتی سے کہا۔ "کسی کا تحفہ واپس کرنا تو بہت بداخلاقی ہے نا باتی — تم ہی کہہ رہے تھے کہ یہ ان کے لیے بہت معمولی چیز ہے۔"

"اماں نے کہا ہے تو واپس تو کرنا ہوگا۔" باتی فکرمندی سے بولا۔

"مگر میں نہیں کروں گی، مجھے شرم آئے گی۔" چچی اماں ناراض ہوتی ہیں تو میں کیا کروں۔"

"ہاں اب تو تم جا رہی ہو تو تمہیں ان کی ناراضگی کی کیا پروا۔"

"نہیں یہ بات تو نہیں ہے۔" وہ سٹپٹا گئی۔ مون نے بھی — اصرار کیا خاموش رہا۔ پتا نہیں کیوں وہ اب کسی کے معاملے میں دخل نہیں دیتا تھا۔ خاموشی سے آتا، خاموش چلا جاتا نہ پہلے والی بہن بھائیوں میں وہ چھین جھپٹ تھی نہ لطیفوں اور چہارتوں کے قہقہے۔ گھر میں خاموشی سی رہتی۔ رات کو مون ٹیبل لیمپ کے آگے کتاب رکھے کرسی پر بیٹھا تھا۔ پتا نہیں پڑھ رہا تھا یا کچھ سوچ رہا تھا نظریں تو کتاب پر ہی تھیں۔ مگر نہ تو اس نے ورق پلٹا نہ پلکیں جھپکیں۔

"وہ ہار اسے واپس کر دو۔"

وہ برآمدے میں بستر جھاڑ رہی تھی۔ چونک کر اس نے دیکھا وہ اسی انہماک سے کتاب پڑھ رہا تھا۔ چچی اماں اور شنو نماز پڑھ رہی تھیں۔ دوسرے کمرے میں تھیں۔ مونا نے ادھر ادھر دیکھا۔ مون کو حکم دینے کی عادت تھی۔

"واہ! یہ اچھی رہی۔ اب میں کسی سے تحفہ بھی جناب کی اجازت سے لوں۔" وہ بڑبڑانے لگی۔

"جب ان کے ساتھ رہو گی تو دل بھر کر تحفے لینا۔ میں منع نہیں کروں گا مگر میرے گھر میں، میری اوقات کے مطابق زندگی بسر کرنی ہوگی۔" اس کا چہرہ غیظ و غضب سے سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔ اس نے نظریں اٹھا کر مونا کو دیکھا تو وہ بھی شعلے کی طرح لپک رہی تھیں۔ مونا ڈر کر کمرے میں بھاگ گئی۔ اور رو دیے سے بولی۔

"تم نے کبھی تحفہ دیا ہو تو جانو، کیسی خوشی ہوتی ہے دوسروں کی خوشیوں کو ٹھکرا کر کیا ملے گا تمہیں۔ میں نہیں کر سکتی یہ بداخلاقی والا کام۔ بس کہہ دیا۔"

ابھی اس کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ وہ جیسے جادو کے زور سے اندر آگیا۔ وہ ڈر گئی، گو کہ اس کے چہرے پر غیظ و غضب کی علامات ختم ہو چکی تھیں مگر تیور بگڑے ہوئے تھے۔ بڑا اجنبی سا لگ رہا تھا وہ۔

"میں تحفہ دینا بھی جانتا ہوں، لینا بھی۔ مگر تحفہ ہمیشہ اپنوں کو دینا چاہیے۔ اپنوں کو ہی لینا چاہیے۔ غیروں سے لیتے یا غیروں کو دیتے ہوئے خود ہی شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ آئی بات سمجھ میں۔"

"تم نے کب کسی کو کچھ دیا ہے۔ میں تو غیر نہیں مجھے کب دیا

UrduPhoto.com

کوئی تحفہ۔"

"تم میری اپنی بھی نہیں۔ ہوتیں تو وہ ہار لے کر اس قدر مغرور نہ ہو جاتیں۔" وہ پست لہجے میں بات کر رہا تھا۔ واپس جاتے جاتے مڑ کر بولا۔ "تم صرف محبت کے قابل ہیں اور اسی کی قدر کرتے ہیں۔"

"تمہارا مطلب ہے، میں محبت کرنا نہیں جانتی۔ میں صرف ہمدردی اور ترس کے قابل ہوں۔" مونا چلا کر بولی اسے بھی غصہ آگیا تھا۔ "میں اس دنیا میں رہتی ہوں جہاں لوگ مجھ پر صرف ترس کھاتے اور حکم چلاتے ہیں۔"

اس کی آواز بلند ہونے لگی۔ آنسو ٹپ ٹپ زمین پر گر رہے تھے۔ اور اس کا چہرہ آنسوؤں کی یلغار سے بھیگ گیا تھا۔

"میں جیسی بھی ہوں، ویسا ہی رہنے دو مجھے اپنی دنیا کے قابل نہ بناؤ۔ میں تمہارا احسان بھولوں گی نہیں۔" آخر اس نے آواز پر قابو پا کر کہا۔

مون جو حیران و پریشان دروازے میں کھڑا تھا اچانک مسکرا دیا اور قدرے نرم آواز میں بولا۔

"شکریہ! ویسے میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کی جس سے تم اس قدر رنجیدہ ہو گئیں۔ اور جو کچھ تم سوچتی ہو نا، وہ صرف تمہارے اندازے ہیں غلط اندازے۔" یہ کہہ کر وہ مطمئن انداز میں باہر چلا گیا۔

رات کو چھوٹے چچا آگئے۔ دروازہ مون نے کھولا۔ سب سو رہے تھے۔ مونا جاگ گئی تھی مگر اٹھی نہیں۔ مون کے کمرے کی لائٹ کافی دیر تک جلتی رہی۔ وہ چچا کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ مونا سلگتی رہی۔ سنا رہا ہوگا چچا کو داستان۔ ہونہہ پتا نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ میری برائیاں کر رہا ہوگا۔ کرے میری بلا سے، میں تو اب یہاں رہوں گی نہیں۔ چلی جاؤں گی اپنے ابا کے پاس۔ اور جب ابا آئیں گے تبھی آؤں گی۔

وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئی اور خواب میں ابا کو دیکھنے کی دعا کرتی رہی۔ ساتھ والے پلنگ پر شگو بے خبر سو رہی تھی۔ خوبصورت اور دلکش، اس کا چہرہ کسی فرشتے کی طرح معصوم تھا۔ وہ خود بھی معصوم اور نیک دل تھی۔ اس کی وجہ سے مونا کا یہاں دل لگ گیا تھا۔ ورنہ ہانی کی بے سروپا حرکتیں اور مون کی حکومت۔ توبہ۔ شاید وہ اتنا خوش نہ رہتی اگر شگو نہ ہوتی۔ مگر اب اس کی بھی شادی ہونے والی تھی بیچاری چلی جائے گی مگر میں بھی اس سے پہلے ہی جا رہی ہوں۔

ورنہ ان باگڑ بلوں کے ساتھ رہنا کتنا مشکل ہوتا۔ اور پھر چچی اماں آج کل وہ بھی چپ چپ ہیں۔ جانے اس کے جانے سے یہ لوگ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟ مونا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

چھوٹے چچا خود ہی زندہ دل سے ملنے چلے گئے۔ وہ ایک بڑے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ آئے تو مونا نے بے تابی سے کہا۔

"آپ نے دیکھا چھوٹے چچا، کتنا چھپے ہیں زندہ دل۔ مجھے ساتھ لے جانے کو تیار ہیں۔ بڑے ہمدرد انسان ہیں، ورنہ آج کل کون کسی کی اتنی پروا کرتا ہے؟"

چھوٹے چچا نے اسے بغور دیکھا اور بغیر کچھ کہے اندر چلے گئے۔ اسے ایسا لگا جیسے چھوٹے چچا دل میں کہہ رہے ہوں "تم تو ہمدردیوں کی پالی ہوئی ہو۔ پھر تمہیں کسی سے کیا شکوہ ہے" وہ چپ سی ہو گئی۔ سوچنے لگی شاید چھوٹے چچا بھی چچی اماں کا ہی ساتھ دیں گے۔ انہوں نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ زندہ دل کے بارے میں اپنے خیال کا اظہار تک نہیں کیا۔ یہ کیسی دنیا ہے جو میری خوشی کی زبان نہیں سمجھتی۔ برسوں بعد ایسی مسرت مجھے ملی ہے تو کسی کو میرے احساسات کی پروا نہیں۔ اندازہ نہیں۔ اچانک اسے خیال آیا یہ لوگ خواہ کتنے ہی بے نیاز ہوں اس کی خوشیوں سے، مگر فردوسی خالہ ضرور اس بات سے خوش ہوں گی کہ وہ اپنے ابا سے ملنے جا رہی ہے اور یہ کہ وہ زندہ ہیں۔

وہ جھٹ پٹ خط لکھنے بیٹھ گئی۔ لفافہ بند کر کے اس نے ہانی کو دیا۔ "ہانی بھیا! یہ خط آج ہی پوسٹ کر دینا۔ اچھا۔ ابھی۔"

"آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ بندے کا نام ہارون رشید ہے اور یہ نام مجھے بہت پسند ہے۔ جب یہ نام مسٹر زندہ دل کے ہونٹوں پہ آتا ہے، مجھے فوراً احساس ہوتا ہے کہ ملبدولت سینکڑوں سال پہلے کے دور سے گزر رہے ہیں۔ شہنشاہوں کے زمانے کے دور سے اور میں مسٹر زندہ دل کا بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے بے حد اہم بنا دیا ہے۔ میرا پورا نام لے کر میری تاریخی اہمیت کو اجاگر کر دیا ہے۔" ہانی نے ڈرامائی انداز میں فخر سے کہا۔

"اچھا تو جناب اہم ہارون رشید عرف ہانی بھیا۔ میرا یہ خط بھی بے حد اہم ہے، آپ کے نام کی طرح، لہٰذا اسے

فوراً حوالہ ڈاک کیا جائے۔"

اوں ہوں۔" منہ سکوڑ کر چھوٹ موٹ اینٹھنے لگا۔ گردن ہلاتا ہوا فخریہ انداز میں بولا۔ "سوچیں گے، سوچیں گے۔ اس بارے میں بھی کوئی مذاکرہ کریں گے۔ پھر فیصلہ کریں گے۔ ویسے اس طرح کے کام ہم اپنے وزیر باتدبیر سے لیتے ہیں۔ خیر نہ سہی کوئی وزیر سیکرٹری سہی۔" سیکرٹری۔" اس نے بے نیازی سے پکارا۔ اسی وقت چھوٹے چچا اندر داخل ہوئے۔ ان کی پرچھائیں پر نظر پڑتے ہی بانی نے بغیر مڑ کر دیکھے وہ خط پیچھے کی طرف بڑھایا اور کہا۔

"سیکرٹری۔ یہ خط آج ہی پوسٹ ہو جائے"

اس کے لہجے اور انداز میں بھی وہی شان تھی جوں کا انداز گفتگو۔ چھوٹے چچا نے خط اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ پتے پر ایک نظر ڈال کر وہ بولے۔

"فردوسی بیگم بھی تم سے بہت ہمدردی رکھتی ہیں اور محبت کا اظہار بھی کرتی رہتی ہیں۔ تم نے اچھا کیا انہیں خط لکھ دیا۔"

"جی۔ جی۔" مونا سٹپٹا کر اتنا ہی کہہ سکی۔

چھوٹے چچا پھر بولے۔

"مگر یہاں کے لوگ تم سے محبت کرتے ہیں۔ یاد رکھو بیٹی، ہمدردی ہر جگہ سے حاصل کی جا سکتی ہے مگر محبت کے مقام محدود ہوتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ خط لے کر چلے گئے۔ بانی زبان دانتوں میں دبا کر شانے اچکا کر کسی طرف سٹک گیا۔ رات کو کھانے کے بعد چھوٹے چچا نے اسے سمجھانا چاہا۔

"دیکھو بیٹی! میں تمہیں روکتا نہیں۔ تم اب اس قابل ہو کہ اپنا برا بھلا سمجھ سکو۔ مگر بھائی جان کا خط پڑھ کر مجھے طرح طرح کے اندیشے ستا رہے ہیں۔ انہوں نے خط میں زندہ دل کے بارے میں ایک لفظ نہیں لکھا۔ یہ کون ہے، کیا کرتا ہے، اس سے اُن کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے۔ ہمیں تو یہ سوچنا ہے نا کہ اتنے لمبے سفر پر ایک لڑکی کا کسی غیر شخص کے ساتھ جانا مناسب ہے یا نہیں۔ میں حیران ہوں، بھائی جان نے کیسے منظور کیا اور کیوں یقین کر لیا کہ ہم اس پر رضامند ہو جائیں گے۔ ہمارے معاشرے میں یہ بات ناقابلِ قبول ہے۔"

اب مونا نے کچھ دیر سوچ کر جواب دیا۔

"چھوٹے چچا! میں بہت دن ابا کے لیے تڑپی ہوں۔ ان کی صورت دیکھنے، ان سے ملنے کی آرزو نے مجھے ایسا ہی بے چین کر دیا ہے کہ میں کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتی۔ خدارا مجھے روکیے گا نہیں۔"

"میں کچھ طے نہیں کر پا رہا مونا بیٹی۔ وہ شخص ہمارے لیے اجنبی ہے۔ (رہے بھائی جان سے اس کے تعلقات، انہوں نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ یہ بات غور طلب ہے یا نہیں۔"

"ٹھیک ہے چھوٹے چچا مگر میں سوچنا نہیں چاہتی کہ کہیں پھر میرا ابا سے ملنا مشکل ہو جائے اور میں خالی جھولی لیے پھر سے لوگوں کی ہمدردی کی تلاش میں ادھر سے ادھر پھرتی رہوں جب میں دیکھتی ہوں کہ اور لڑکیوں کے ماں باپ ہیں، ان کا ایک گھر ہے، انہیں اسی گھر میں رہنا ہوتا ہے، انہیں ماں باپ کی آغوش، ان کا سایہ نصیب ہے تو مجھے لگتا ہے کہ میں تیز دھوپ میں ننگے پیر بھاگ رہی ہوں۔ میرے پیروں میں چھالے پڑ جاتے ہیں، پھر بھی مجھے کوئی سایہ نہیں ملتا۔ یہاں تک کہ میں ایک کنوئیں میں گر جاتی ہوں۔ مجھے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اب ابا کا خط میری منزل کی نوید بن کر آیا ہے تو مجھے زندگی کا مقصد سمجھ میں آ گیا ہے۔ پہلے میں یہی سوچ کر پاگل ہوتی تھی کہ آخر میں کس لیے زندہ ہوں، کس کے لیے جیے جا رہی ہوں۔ مگر اب ابا کا خط پانے کے بعد میں نے ایک بار بھی ایسا نہیں سوچا جیسے ابا سے ملنا۔ ان تک پہنچنا ہی میری زندگی کا حاصل ہے۔ وہی میری منزل ہیں اور اس دن کا برسوں سے مجھے انتظار تھا۔ چھوٹے چچا! اس دن اس ساعت کے لیے خواہ مجھے کتنی بڑی قربانی دینا پڑے خواہ پوری زندگی داؤ پر لگانا پڑے۔ مگر میں جاؤں گی ضرور، مجھے اب نہ روکیے۔"

آنسو آنکھوں میں بھر آئے اور حلق میں نمکین پانی جمع ہو رہا تھا۔ آواز بھاری ہو گئی تھی مگر مونا پوری کوشش کر رہی تھی کہ چھوٹے چچا کے سامنے وہ کمزور نہ پڑ جائے۔ وہ بھی بہت متاثر ہو رہے تھے۔ آخر انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ہاں۔ جانا۔ جانا۔ کوئی تمہیں نہیں روکے گا۔" چھوٹے چچا کے الفاظ نے اسے نئی زندگی دے دی۔ وہ کشمکش اور فکر سے آزاد ہو گئی۔ وہ ہنسنے اور گنگنانے لگی۔ رات کو بستر پر لیٹی تب بھی گنگنا رہی تھی۔ شنو نے اس کی طرف کروٹ لی اور آہستہ سے کہا۔

"بہت خوش ہو تم۔"

"ہاں! آخر اپنے باپ سے ملنے کی کسے خوشی نہیں ہوتی جو برسوں کے بعد ملیں گے۔ تم میری خوشی سے خوش نہیں ہو

کیا؟ شنو نے آہ بھری۔
"اتنے دن کا ساتھ تھا، تم چلی جاؤ گی اور میں اکیلی رہ جاؤں گی۔ بہت اداس ہوں میں۔"
مونا سوچ میں پڑ گئی۔ اسے خیال تک نہ تھا کہ شنو اس کی جدائی محسوس کرے گی۔
"چچا خود آجاتے۔" شنو نے پھر کہا۔ "تو میں بتا نہیں سکتی کتنے خوش ہوتے۔ میں نے تو بچپن میں ہی انہیں دیکھا تھا۔ مگر تم چلی جاؤ گی، تو ہمیں عرصے تک یہ بھی پتا نہیں چلے گا کہ تم ان کے پاس پہنچ گئی ہو۔ شاید تم ہمیں بھول جاؤ۔ مگر ہم تمہیں نہیں بھلا سکیں گے۔ بھان، ہانی بھیا، میں اور امی تک تمہارے لیے اس قدر اداس اور فکر مند ہیں۔ ساتھ رہنے سے محبت ہو جاتی ہے نا۔ اور اب جو تم جاؤ گی تو شاید پھر کبھی نہ آسکو گی۔"
شنو تکیے میں منہ چھپا کر ہچکیوں سے رونے لگی۔ مونا بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی اور شنو سے لپٹ کر اسے چمکارنے لگی۔
"نہیں شنو رو دُ نہیں، میں آؤں گی جس طرح جا رہی ہوں ویسے ہی آبھی جاؤں گی۔ اور ابا کو لے کر آؤں گی یقین کرو اسی لیے تو میں جانے کے لیے اس قدر بے چین ہوں۔ میرے جائے بغیر ابا شاید نہ آسکیں۔"
مونا شنو کو لپٹا کر اسے سہلاتی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا۔
"میں کئی دن سے یہی سوچ رہی تھی کہ شنو میری خوشی سے خوش نہیں۔ شاید تم بھی مجھے بے حس سمجھتی ہو۔ میں جب بھی تم سے بات کرنا چاہتی تم کو نماز میں یا تلاوت میں مصروف رکھتی، یہ آج کل تم کچھ زیادہ نمازی نہیں ہو گئی ہو۔ کیوں؟"
شنو نے گردن موڑ کر دوپٹے سے آنکھیں رگڑیں اور دھیمے سے کہا۔
"میرا تو دل چاہتا ہے کھانا پینا چھوڑ دوں۔ اور دن رات اللہ کے سامنے سجدے کیے جاؤں۔" شنو کی آواز میں درد بھرا تھا۔ مونا حیران ہو گئی۔
"کیوں بھئی، ایسی کیا بات ہو گئی جو تم ملانی بننے کی سوچ رہی ہو؟"
"نہیں۔ ملانی تو نہیں، اپنی کوتاہیوں، گناہوں کی بخشش کے لیے اللہ کے سامنے سجدہ کرنا کوئی غلط بات تو نہیں۔ امی کہتی ہیں نماز ساری تکلیف کو رفع کرتی ہے۔ سب بلائیں ٹالتی ہے اور ہر دعا قبول ہو جاتی ہے۔"
مونا نے ہونٹ کاٹے، چچی اماں اسے بھی نماز کی تاکید کیا کرتی تھیں، مگر اس سے پابندی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اپنے غم اپنے ہی فکر میں غرق رہتی تھی۔ چچی اماں کی نصیحت کو ان سنا کر دیتی تھی۔
"یہ پانچ وقت کی نماز تو خیر ٹھیک ہے۔" مونا نے پھر پوچھا۔ "مگر تم تو آج کل زیادہ ہی نماز پڑھنے لگی ہو۔ کوئی خاص بات ہے کیا؟"
"نماز غم اور فکر دُور کرتی ہے۔" شنو نے سادگی سے کہا۔ "آدمی نماز پڑھے تو دنیا کے دوسرے غم اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں اس لیے۔"
"تو تم کو کیا غم ہے۔" مونا نے حیرانی سے پوچھا۔
"میری منگنی ٹوٹ گئی ہے۔" شنو نے دھیرے سے کہا۔
مونا سکتے کی سی کیفیت میں اسے دیکھتی رہی۔
"مگر۔ یہ۔ کیسے ہوا؟" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں شنو سے بولی۔ "کیا تم اسی لیے کئی دن سے چپ ہو۔ تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔"
"تم اپنی خوشیوں میں اتنی محو تھیں، تمہیں کیا بتاتی، اور پھر مجھے منگنی ٹوٹنے کا اتنا غم بھی نہیں۔ دراصل امی اور بھان کو جو اس بات سے دکھ پہنچا ہے، اس کا غم ہے۔ ان لوگوں نے مجھ پر غلط قسم کے الزامات لگا کر منگنی توڑنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ بات کتنی ناقابل برداشت ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ میں بہت آزاد بے باک اور خود پسند ہوں۔ ان کے گھرانے کے لیے مناسب نہیں۔ اتنے عرصے بعد اب انہیں یہ بہانہ سوجھا ہے۔ ورنہ مجھے تو کافی دنوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ممانی کے خیالات بدل رہے ہیں۔ وہ ایک دولت مند بہو لانے کی خواہش مند ہیں جس کے قیمتی جہیز سے ان کا گھر بھر جائے اور خاندان میں ان کا نام ہو۔ میں بیچاری غریب گھر کی لڑکی۔ اور ماموں جنہوں نے یہ نسبت کی تھی اب زندہ نہیں۔ پھر بھلا سچ مونا، مجھے اس منگنی سے صرف اس لیے خوشی ہوئی تھی کہ ماموں بے حد محبت کرنے والے انسان تھے۔ بہت ہی نیک اور قدر دان۔ امی اور بھان بھی مطمئن تھے۔ اب انہیں نئے سرے سے میرے مستقبل کی فکر ہو گئی ہے۔ بھان کو دیکھا تم نے، کس قدر غم زدہ اور خاموش ہو گئے ہیں۔ میری فکر اور تمہاری جدائی کا غم۔ پورے گھر پر اداسی کا سایہ ہے۔ جی چاہتا ہے پھر پہلے جیسے دن واپس آ

Urdupoint.com

جائیں۔ ہم سب ہنسی خوشی رہیں بھان ویسے ہی حکم چلایا کریں کھانے پر نخرے کریں۔ اور ہم ان کے حکم کی تعمیل کرتے رہیں۔ ان کے نخرے سہتے رہیں مگر بھان تو اب بولتے بھی بہت کم ہیں۔ انہیں منگنی ٹوٹنے سے زیادہ اس بات کی فکر ہے کہ مجھے تو اس بات سے زیادہ صدمہ نہیں پہنچا۔"

مونا اسے غور سے دیکھتی رہی۔

"تم کو منگنی ٹوٹنے سے زیادہ اپنے بھائی جان کی فکر ہے ارے کیسی ہو تم۔ اور یہ شاہد بھائی کو کیا ہوا۔ ان کے خیالات بھی بدل گئے۔ تم ان سے پوچھو نا۔"

"کیا فائدہ۔" شنو نے جسم پر چادر لپیٹ لی۔ اور دھیمے لہجے میں کہا۔ "یہ تو ذلیل ہونے والی بات ہے۔"

"مگر یہ وعدہ شکنی ہے۔ انہیں احساس تو دلایا جائے۔"

اچھا۔" مونا سوچ کے بولی۔ "جب تم کو اس بات کا صدمہ نہیں تو پھر تمہاری نمازیں اتنی طویل کیوں ہوتی ہیں۔"

شنو نے کروٹ لے کر کہا۔

"بھان اور امی کے لیے ہر وقت یہ دعا کرتی ہوں کہ اللہ میاں میری وجہ سے انہیں کوئی غم، فکر نہ ہو، کسی طرح بھی ساری فکریں دور ہو جائیں اور گھر پھر قہقہوں سے بھر جائے۔ خوشیوں کا دور دورہ ہو جائے۔"

شنو سو گئی۔ مگر مونا جاگتی رہی۔ کیسے لوگ ہیں یہ۔ ایک کو دوسرے کی فکر۔ دوسرے کو تیسرے کا غم۔ چچی اماں کو ہر ایک کا خیال۔ ہاں البتہ کچھ کھلنڈرا تھا۔ مگر کیا پتا اندر سے وہ بھی اتنا ہی گہرا ہو، دکھ بانٹنے والا۔ مون اور شنو بھی تو اتنے زود حس نہیں تھے۔

مونا نے زندہ دل کا ہار واپس کر دیا۔ وہ بہت حیران ہوئے، مونا نے کہا کہ "ابا کی اجازت سے لوں گی۔ پتا نہیں وہ پسند کرتے ہیں کہ نہیں۔"

زندہ دل کا سیاہ چہرہ اور بھی سیاہ ہو گیا۔ چمکیلے دانت اور بھی سفید لگ رہے تھے۔ سفید ڈیلوں میں تھرکتی سیاہ پتلیاں ایک دم ایک جگہ ٹھہر گئیں اور مونا پر ٹک گئیں۔ مونا گھبرا گئی۔ یا اللہ! اس شخص کے ساتھ یہ لمبا سفر کیسے گزرے گا، جو دانت چمکاتا اور آنکھیں طوطے کی طرح بدلتا ہے۔ کبھی پتلی پھیل جاتی ہے کبھی سکڑ جاتی ہے، کبھی ڈیلے کی سفیدی میں سرخی نمایاں ہوتی ہے تو کبھی سفیدی نکھری ہوئی لگتی ہے۔ مسکرائے تو خوف آتا ہے۔ قہقہہ لگائے تو دہشت ہوتی ہے۔

جب بھی اتنا بانی سے باتوں میں مصروف رہتا۔ کبھی کبھی مسٹر مامون کی خیریت بھی پوچھتا مگر مون تو زیادہ وقت ورکشاپ میں گزارتا تھا۔ مونا نے سفر کی تیاری مکمل کر لی تھی۔ ایک سوٹ کیس میں کپڑے اور بیگ میں ضرورت کی چیزیں۔

شنو نمازوں میں مصروف، بانی اپنی مصروفیات میں مگن چچی اماں سرد مہر رویہ لیے اپنے الجھن میں ڈالے ہوئے تھیں۔ چھوٹے چچا بھی چپ چاپ تھے۔ وہ جانتی تھی کسی کو بھی اس کا یہ سفر پسند نہیں۔ مگر جانے سے پہلے وہ سب سے مغاہمت چاہتی تھی۔ اور جانے سے پہلے وہ مون اور چچی اماں کو خاص طور پر اپنے نظریے سے قائل کرنا چاہتی تھی جو اس سے دور دور رہتے اور اسے موقعہ ہی نہ ملتا کہ کچھ وضاحت کر سکے۔

ایک دن صبح ہی صبح شاہد اپنی ماں کو لے کر آ گیا۔ شاہد کو اپنی ماں کے فیصلے کا علم ہی اس وقت ہوا جب دوسروں نے اسے بتایا۔ کئی دن اسے ماں کو سمجھانے اور منانے میں گزرے اس نے اپنے مرحوم باپ کی اس آخری خواہش کو پورا کرنے کا عزم کر لیا۔ اس منگنی کے ٹوٹنے سے خاندانوں میں ایک خلیج حائل ہونے کا خطرہ تھا اور اسے یہ منظور نہ تھا کہ اس کی کسی حرکت سے پورے خاندان میں تفرقہ پڑ جائے۔ اس کے علاوہ شنو کی [illegible] اور آزردگی۔ امی کی خواہش پر اس کے والد نے [illegible] اس کے مال کو ہر طرح راضی کر لیا اور خوشامد کے علاوہ ضد بھی کی۔ آخر انہیں منانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی امی نے بھی بیٹے کی آرزو دیکھ کر خاموشی اختیار کر لی اور اب چچی اماں کے سامنے معافی تلافی کا سلسلہ شروع ہوا۔ چچی اماں نے ان کی بہت آؤ بھگت کی اور کہا۔ "مجھے تو تم سے کسی طرح کی شکایت نہیں۔ سب نے تمہارا خط پڑھ کر اپنے رب کی مرضی کے سامنے سر جھکا دیا۔ اور شکر ادا کیا کہ شادی سے پہلے ہی خیالات کا علم ہو گیا۔ بعد میں میری بیٹی سے تمہیں شکایت ہوتی تو زیادہ برا ہوتا۔"

شاہد کی امی نے معذرت کی کہ لوگوں کے بہکاوے میں آ کر وہ یہ حرکت کر بیٹھیں، ورنہ انہیں شنو کی کسی بات سے آگاہی نہیں، کسی نے کہا انہوں نے بغیر سوچے یقین کر لیا۔ انہوں نے خود کوئی بات نہیں دیکھی۔"

چچی اماں نے کہا۔ "بہر حال اب تم آ گئی ہو تو سب گلے دور ہو گئے۔ اللہ نے میری عزت رکھ لی۔ میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہے۔ یہ تو آپس کی مرضی اور خوشی کا معاملہ ہوتا ہے۔

urdupoint.com

زبردستی تو یہ بندھن نہیں باندھے جاتے۔ تمہارا خط آنے کے بعد بھی مجھے تم سے شکوہ نہ تھا۔ تمہاری مرضی تھی۔ اللہ کی مصلحت کو کون جان سکتا ہے۔"

یہ معاملہ بخیر و خوبی نبٹ گیا۔ مونا نے حیرانی سے دیکھا کہ شنو اسی طرح لمبی نمازیں پڑھتی ہے۔ اس نے کہا۔

"شنو! اللہ نے تمہاری دعا سن لی۔ اب یہ نمازیں کچھ کم کردو۔"

"میں تو شکرانے کی نماز پڑھتی ہوں۔ اللہ نے میری دعا سن لی۔"

"مگر تمہیں تو منگنی ٹوٹنے کا غم نہ تھا۔" مونا شرارت سے بولی۔

"بھئی مجھے اس وقت علم نہ تھا کہ ان کی کیا مرضی ہے۔ میں سمجھی شاہد کی رائے اس فیصلے میں شامل ہے۔"

"مگر خوب دل لگا کر دعائیں کی تھیں کہ اللہ نے اتنی جلدی قبول کر لیں۔ سچ شنو! نماز میں کیا اتنی تاثیر ہوتی ہے۔ بغیر نماز کے اگر دعا کی جائے تو وہ قبول نہیں ہوتی کیا؟"

چچی اماں نے اس کی یہ بات سن لی اور وہیں سے بولیں۔

"بیٹی، خدا کو عبادت پسند ہے اور جو نماز پڑھ کر دعا کرتا ہے اللہ کی ضرور سنتا ہے۔"

"تو چچی اماں! اتنے لاکھوں لوگ جو عبادت نہیں کرتے کیا ان کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی اور کیا انہیں کوئی غم نہیں ہوتا۔ اور جو لوگ نمازیں پڑھتے ہیں، ان کی ساری دعائیں قبول ہوتی ہیں؟"

"پتا نہیں بیٹی۔ مگر غم سے کوئی خالی نہیں ہوتا۔ میں تو عمل پر یقین رکھتی ہوں۔ جب بھی دل کی گہرائیوں سے رب کو پکارا ہے، اس نے ضرور سنا ہے۔ اگر کوئی خواہش پوری نہ ہو تو اسے اپنے رب کی مصلحت سمجھ کر قبول کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے اس میں بھی ہماری بہتری ہو۔ کیونکہ خدا ہی ہمارے مستقبل کا علم رکھتا ہے۔ اس لیے اس کا ہر حال میں شکر ادا کرنا چاہیے اور ہمیشہ اس سے دعا کرتے رہنا چاہیے۔"

چچی اماں تو نماز میں مصروف ہو گئیں۔ مونا سوچتی رہی، کئی سال سے وہ ان کے ہمراہ تھی وہ مونا کو نماز کی تاکید کرتی رہی تھیں۔ جب بھی وہ اداس ہوتی یا روتا دیکھتیں نماز کی تلقین کرتیں اور کہتیں کہ نماز پڑھنے سے تمہارے دل کو چین ملے گا۔ اپنے لیے بھی دعا کرو اور باپ کے لیے بھی، مگر اس میں پابندی نہیں ہوتی تھی۔ اسے چچی اماں کی ہر بات سے اختلاف ہوتا تھا اس لیے یہ بات بھی دل سے وہ نہ سنتی تھی۔

شام کو زندہ دل آئے تو وہ شنو کے ساتھ باورچی خانے میں مصروف تھی زندہ دل روز شام کو آجاتے تھے مگر کچھ دیر بعد ہی واپس چلے جاتے۔ شاہد نے کھانا کھاتے ہوئے اچانک مونا سے کہا۔

"بھئی مبارک ہو، یہ آپ کے منگیتر ہیں، تو بہت اسمارٹ کافی سرمایہ دار لگتے ہیں، مگر ان کا سیاہ رنگ تو کسی سے میل نہیں کھاتا۔ ہضم کرنا مشکل لگتا ہے۔ ویسے آپ کی ہمت کی داد دیے بغیر نہیں رہوں گا میں۔"

"کیا۔ کہا؟" مونا کو کھلا گئی "اللہ نہ کرے، یہ بات تھوڑی ہے۔"

"میرا خیال ہے مونا بہن، دنیا میں ہزاروں لوگ آپ کی آرزو کر سکتے ہیں، سوائے میرے۔ ہو سکتا ہے، ان میں کوئی بھی ہیرے یا سونے یا زمرد کی کان کا مالک نہ ہو۔ مگر وہ دل کی دولت سے آپ کا دامن بھر سکتے ہیں۔ سب نہیں مگر ان میں سے کوئی ایک یاد رکھیے، انسان کا دل ہی اس کی سب سے بڑی دولت ہے۔ جو خوشیاں بانٹتا اور محبتیں لٹاتا ہے۔"

مونا کچھ بول نہ سکی۔ سب لوگ بیٹھے تھے۔ کسی نے بھی شاہد کے خیال کی تردید نہیں کی۔ مون شاہد کو باہر لے گیا۔ ہانی کنکھیوں سے اسے دیکھتا رہا۔ جو ایک دم کچھ نروس ہو گئی تھی۔ وہ ہانی کی طرف لپکی۔ "ہانی میرے بھائی شاہد بھائی کو بتا دینا ایسی کوئی بات نہیں ہے، وہ منگیتر تھوڑی ہے۔"

"تو پھر کون ہے؟" ہانی بے نیازی سے بولا۔

وہ سٹپٹا کر اسے دیکھتی رہ گئی۔

"جہاں بتا رہے تھے، جب اس نے تمہیں اچھی طرح دیکھ لیا، تب چچا کا خط تمہارے حوالے کیا۔ اگر تم اس کی پسند اور معیار پر پوری نہ اترتیں، تو وہ خط نہ دیتا۔ یہ مجھے یقین ہے۔ پھر تمہیں معلوم ہی نہ ہوتا کہ انہوں نے تم کو بلایا ہے۔"

ہانی اتنی بات کہہ کر باہر کو لپک گیا۔ وہ چپ کھڑی رہ گئی۔ کیسی بات ہے یہ۔ وہ اُلجھنے لگی۔ جو بات سب کو آسانی سے نظر آ رہی تھی، وہ مونا کی سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔ کل۔ کل ہی کی رونمائی ہے اور آج۔ آج اسے پتا چلا کہ سب اسے مونا کا منگیتر سمجھ رہے ہیں۔ سمجھا کریں۔ اس نے سوچا۔ میں کوئی بے جان گڑیا تو نہیں۔ میری مرضی کے بغیر کیا زبردستی شادی ہو سکتی ہے میں سب کے خیالات اور خدشات کو اپنے عمل سے پلٹ

دوں گی۔ بتادوں گی کہ میں کتنی ہمت والی ہوں اور اپنے فیصلے میں اٹل۔ دولت۔ دولت کی کیا اہمیت ہے۔ بغیر دولت کے بھی لوگ خاصے زندہ ہیں، اہمیت ہے تو پھر بڑے باپ سے ملنے کی۔ اسے نیند آنے لگی۔ پھر غنودگی کے عالم میں اسے کسی کی آواز سنائی دی۔ کسی نے اس کا نام لیا تھا۔ وہ چونک گئی۔ کہیں سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ چند لمحوں بعد جب ذہن پوری طرح جاگ گیا تو اس نے پہچانا۔ چھوٹے چچا شاید چچی اماں سے باتیں کر رہے تھے۔ لیکن۔ رات کے دو بجے۔ انہیں اس طرح باتوں کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بستر سے اٹھ کر چپکے سے دروازے تک آئی اور جھانکنے لگی۔ برآمدے میں نماز کی چوکی پر چچی اماں دوپٹے کی بکل مارے بیٹھی تھیں اور پلنگ پر چھوٹے چچا نیم دراز تھے۔ وہ بہت آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ مگر سناٹے میں ان کی باتوں کا ایک ایک لفظ وہ سن سکتی تھی۔

"مگر ظفر میاں، جو بات میں اپنی بیٹی کے لیے پسند نہیں کرتی وہ دوسری کے لیے کیسے قبول کرلوں۔ وہ میری ہی بیٹی ہے۔"

"مگر بھابی، ہم اس پر جبر تو نہیں کر سکتے۔ وہ جوان ہے اپنا برا بھلا سمجھتی ہے۔" چھوٹے چچا کہہ رہے تھے۔

"وہ نادان ہے اور کچھ بھی نہیں سمجھتی۔" چچی اماں اپنے خاص انداز میں بولیں۔ "اب تک میں خاموش تھی مگر چپ رہنے کا وقت گزر گیا ہے، خدا کے لیے اسے روکو۔"

"مشکل یہ ہے کہ بھائی جان کے خط کے اشارے ہم تو سمجھ رہے ہیں، وہ نہیں سمجھتی۔ اسے تو باپ سے ملنے کی تڑپ ہے۔"

"باپ خود کیوں نہیں آگئے۔" چچی اماں اعتراضاً کہہ رہی تھیں۔ "وہ نہیں سوچتی تو تم اسے سمجھاؤ۔ جانے کس مشکل میں گرفتار ہیں اور کیوں ایک انجان شخص کے ساتھ بیٹی کو بلانے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اللہ ہی جانے۔"

چھوٹے چچا آواز دبا کر چپکے سے بولے۔ "مجھے تو یہ بھی جوئے کا ہی چکر لگتا ہے۔ وہ شخص زندہ دل کچھ عجیب باتیں کرتا ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ اے، ہے۔ کہیں لڑکی کو تو نہیں ہار گئے۔" گھبراہٹ میں چچی اماں کی آواز کچھ بلند ہوگئی۔ مونا کا دل دھڑکنے لگا۔ پیر کانپنے لگے۔ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں یہ لوگ۔

"تم کو معلوم ہے۔" چچی اماں دکھ سے کہہ رہی تھیں۔ "جب یہ بہت چھوٹی تھی تبھی میں نے اس کو اپنے مون کے لیے مانگ لیا تھا۔ بھائی کی حرکتیں تو شروع سے ہی خراب تھیں بیچاری بیوی جل جل کر کڑھ کڑھ کر آخر قبر میں جا سوئی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ بچی کو اسی طرح اپنی پناہ میں لیا جا سکتا ہے مگر یہ بات زبان پر نہ لائی کہ بچوں کے ذہن پر اس کا اثر نہ ہو۔ پھر جب وہ افریقہ سے آئے، میں نے چاہا کہ بچی کو میں اپنے پاس رکھ لوں تو فردوسی نے کہا۔ نہیں۔ یہ میرے پاس رہے گی، تمہارے گھر تو اسے جانا ہی ہے۔ میں چپ ہوگئی، کہ چلو کچھ دن انہی کے پاس رہ لے۔ پھر جب افریقہ سے ہزاروں لاکھوں کی رقمیں آتی رہیں اور فردوسی رقم دابتی رہی۔ بھئی بچی پر خرچ ہی کتنا ہوتا تھا۔ وہ تو بچی کے مستقبل کے خیال سے رقمیں بھیج رہے تھے یہاں۔"

"خیر چھوڑیے بھابی پرانی باتیں، گزر گیا وہ وقت بھی میں نے وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جب بھائی جان لاپتا ہوگئے تو اس کی تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ اسے پھٹے پرانے کپڑوں میں ملازمہ کی طرح کام کرتے بھی میں نے دیکھا۔ میں اسے اپنے پاس لے جاتا تو فردوسی کے تقاضے جان عذاب میں کر دیتے۔ انہیں مفت کی ملازمہ ملی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ دنیا کا بھی خوف تھا کہ عام دھرے گی جب تک پیسہ آتا رہا لڑکی کو رکھا اور رقم بند ہوئی تو دوسرے کے حوالے کر دیا۔ اسی لیے اپنے پاس رکھے ہوئے تھے۔ دوسرے یہ کہ ابھی امید تھی کہ شاید کبھی بھائی جان بھولے بھٹکے آجائیں یا رقم بھیجیں۔ کہتی تھیں اس کی جدائی مجھے گوارا نہیں ہے۔" چچا میاں بولے جا رہے تھے۔

"ہاں بھئی پالا تو انہی نے ہے مگر سچ کہتی ہوں سوائے گدھے کی طرح کام لینے کے۔ انہوں نے اس کی تربیت پر ذرہ بھر توجہ نہیں دی۔ تعلیم تو پہلے ہی چھڑا دی تھی۔ افسوس لوگ دنیا سے ڈرتے ہیں خدا کا خوف نہیں کرتے۔ میں نے جب بھی چاہا تھا کہ اسے بلا لوں، جب سنتی تھی کہ بچی پر ہر طرح کی زیادتی ہو رہی ہے تو خدا گواہ ہے تڑپ کر رہ جاتی تھی، اگر ان دنوں میں سخت بیمار پڑ گئی تھی۔ شنو کو کالی کھانسی کہیں سے لگ گئی۔ اور میں مجبور ہوگئی۔ تمہیں تو یاد ہوگا تمہاری لڑکی کی شادی بھی تو انہی دنوں ہوئی تھی۔"

اور جب ان کے بیٹے نے مونا سے شادی کی ضد کی تو مجھے تار دے دیا کہ اسے آکر لے جاؤ۔" چھوٹے چچا نے تاسف کے لہجے میں کہا۔ "میں گیا تو میں نے کہا بھی کہ خرچ کیا ہے، گھر کی لڑکی گھر ہی میں رہے گی، تو ان کی ذہنیت کا

لے اس وقت اندازہ ہوا۔ بولیں "اے جاہل کی لٹھ بہو، اللہ
بگے میں لاؤں، میری سسرال میں تو سب کی پڑھی لکھی بہوئیں
آرہی ہیں، ایک سے ایک دولت مند اور جہیز والی۔" افسوس
کے سوا اور کیا کرتا۔ خیر۔ اب تو بھائی جان کی فکر کھائے لیتی
ہے۔ جانے کس مشکل میں گرفتار ہیں خط سے اندازہ ہوتا ہے
کہ کسی دباؤ کے تحت بوجہ مجبوری لکھ رہے ہیں۔"
چچی اماں افسوس کرنے لگیں۔ "ہائے اس شخص کی بھی
کیا قسمت ہے۔ کبھی لاکھوں کروڑوں میں کھیلتا تھا اب ان
حالوں میں پہنچ گیا۔ اپنی حماقت اور لالچ نے کہیں کا نہ رکھا۔"
"مگر مونا کیا کیا جائے بھابی، وہ تو اپنی زندگی داؤ پر
لگانے کے لیے تیار ہے۔ ہم کچھ بھی تو نہیں جانتے کہ وہاں
بھائی جان کیا کر رہے ہیں، اسے یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ وہ
وہاں تقریباً غلاموں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ سب
اندازے ہی ہیں۔" چچا بہت رنجیدہ ہو رہے تھے۔ چچی اماں
اب بہت چپکے چپکے کچھ کہنے لگیں۔ مونا سکتے کی سی حالت میں
سب کچھ سن رہی تھی۔ اب تو اس کے پیر بھی سن ہو گئے تھے
اور زمین اس کے قدموں سے سرکتی جا رہی تھی۔ وہ کواڑ پکڑے
آہستہ آہستہ زمین پر بیٹھ گئی۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں
کوئی پاس کھڑا ہوتا تو سن سکتا تھا۔
"کہتا تو ہے وہاں جاتے ہی شادی ہو جائے گی۔" چچا
بتانے لگے۔
"شادی ہو گی بھی۔ کہ نہیں۔" چچی اماں کچھ خوفزدہ
سی تھیں۔
"زندہ دل کے ارادے تو ایسے ہی لگتے ہیں۔" چچا نے
فکرمندی سے کہا۔
"اور یہ شخص ہے کیسا آدمی۔ یہ زندہ دل۔"
"کسی کے دل میں کیا ہے، یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے
بھابی۔ مگر یقینی بات ہے کہ جس کان کا وہ مالک ہے یا حصہ دار
ہے اس میں بھائی جان بطور مزدور کام کرتے ہیں۔ اس کی
باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ پہلے وہ بھی اس کان
کے حصہ دار تھے مگر پھر وہ اسے اس جوئے میں ہار گئے۔"
"اب شاید بیٹی کو بھی داؤ پر لگا دیا اور ہار گئے۔" چچی اماں
تلخی سے بولیں۔
"شاید! کان کا حصہ پھر سے پانے کے لیے بازی لگائی
ہو گی، اور ہار گئے۔"
"تو۔ اب کیا ہو گا، میں تو لڑکی کو کنوئیں میں گرنے نہیں
دوں گی۔"
"بھائی جان نے صاف لکھا ہے کہ سب کی رائے ہو اور
مونا بخوشی آنا چاہے تو زندہ دل کے ساتھ آجائے۔ ہماری
رائے نہیں ہے مگر وہ یہ داؤ کھیلنے پر تیار ہے ہم کیا کر سکتے
ہیں۔"
"اچھا۔ اب تم سو جاؤ، میں تہجد کی نماز پڑھ لوں۔ اس کے
لیے خیر کی دعا کروں گی، مگر تم صبح اتنا ضرور اسے سمجھا دینا کہ
اب جو یہ یہاں سے گئی تو پھر واپس نہیں آسکے گی۔ وہیں جنگلوں
میں زندگی گزارنا ہو گی۔ باپ تو مرد ہو کر نہ پلٹے۔ یہ تو لڑکی
ہے مجبور و محکوم۔"
رات کیسی ظالم تاریک رات تھی۔ ڈراؤنے سائے ہیبت ناک
خیالات، دیواروں پر بھوتوں کی پرچھائیاں۔ آسمان سیاہ،
تارے مدھم، جدھر نظر جاتی، تاریکی، خوف کا راج ہوتا۔ سناٹے
میں جھینگروں کی آوازیں صور اسرافیل سے کم نہ تھیں۔ اس کے
لیے قیامت کی رات آگئی تھی۔ دل کرچی کرچی، ارمان ریزہ ریزہ،
آنسو بے حیثیت، تمنائیں بے حقیقت، شنو نماز کے لیے اٹھی
تو اس نے حیرت سے دیکھا، مونا جاء نماز پر بیٹھی دعائیں کر
رہی ہے۔ اس کی ہچکیوں کی آواز سے ہی شاید شنو کی آنکھ
کھلی تھی، مونا کا دوپٹہ آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا۔ شنو نماز کے
لیے کھڑی ہوئی تو مونا بستر پر جا کر لیٹ گئی تھی۔ صبح جب سب
ناشتے کے لیے جمع ہوئے تو مونا موجود نہ تھی۔ شنو نے بتایا
کہ وہ بے خبر سو رہی ہے۔ دوپہر تک کسی کو اس سے بات کرنے
یا مزید سمجھانے بجھانے کا موقعہ ہی نہ ملا تھا۔ وہ مسلسل سوتی
رہی، پوری رات کی نہیں، زندگی بھر کی نیند کی کمی پوری کر رہی
تھی، جب اسے جگایا جاتا وہ تمناتی اور کروٹ بدل کر پھر سو
جاتی۔ دن کے ایک بجے بالآخر وہ اٹھی۔ نہا کر آئی اور سب
کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گئی۔ مون اور شاہد بھی کھانے پر
موجود تھے۔ تبھی ہانی نے اندر آکر بتایا کہ زندہ دل آگئے ہیں۔
پھر وہ چپکے سے مونا کے کان میں بدبدایا۔
"میں ان کے مستقبل اور قسمت کا حال بتانے کے لیے
ایک عمل کر رہا ہوں، ہم وہاں کمرہ بند کر کے بیٹھیں گے جب تک
تم تیاری کرو گی اور سب سے مل کر رو دھو گی کے آنسو بہاؤ
گی۔ میرا عمل پورا ہو چکا ہو گا۔" مونا کو اندازہ ہو رہا تھا کہ
چچی اماں کچھ مضطرب ہیں مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں وہ کمرے
سے باہر آگئی۔ شاہد اور اس کی امی کی موجودگی بھی انہیں کچھ
کہنے کا موقعہ نہیں دیتی تھی۔ پھر بھی انہوں نے مون سے کہا۔
"میں مونا کو کہیں جانے نہ دوں گی۔ سنا۔ کہہ دو۔
زندہ دل سے۔ ہم اتنے بے غیرت نہیں ہیں۔"

مون نے گھبرا کر کہا۔ "ارے امی! اچانک اتنا بڑا فیصلہ ہم کیسے کر سکتے ہیں۔"

انہوں نے کہا۔ "کر سکتے ہیں، اس کے باپ نے لکھا ہے اگر ہم سب کی رائے ہو تو وہ آجائے۔ ہماری رائے نہیں ہے۔ اس لیے وہ نہیں جا سکتی۔"

چھوٹے چچا نے اقرار کیا اور کہا۔ "ہماری رائے نہیں ہے لیکن وہ جائے گی ضرور، اس لیے اب کچھ کہنا بے کار ہے۔ خود ارادہ بدل دے تو یہ ممکن ہے، مگر وہ ہے کہاں۔"

شنو نے بتایا کہ وہ نماز پڑھ رہی ہے۔ دس دس منٹ کے بعد جب بھی جھانکا جاتا، وہ نماز میں محو ہوتی۔ ادھر شنو نے زار و قطار رونا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنی ماں سے لپٹی روئے جا رہی تھی۔ "امی! مونا کو روک لیں، اس کے بغیر تو کچھ بھی اچھا نہیں لگے گا۔" دو بار شاہد باہر کے کمرے میں جا کر دروازہ کھٹکھٹا آیا تھا۔ مگر وہ اندر سے بند تھا۔ ادھر مونا تھی کہ ایک بار سلام پھیر کر نئے سرے سے دوسری نماز کی نیت باندھ لیتی۔ کافی دیر بعد ہانی اندر آیا اور آتے ہی اس نے شور مچانا شروع کر دیا کہ بھئی الوداعی ملاقاتیں ہو گئی ہوں تو اب سامان اٹھایا جائے۔ وقت بہت کم ہے اور ابھی زندہ دل کو ہوٹل سے سامان بھی لینا ہے۔ وقت سے کچھ پہلے ایئر پورٹ پہنچنا چاہیے۔ اگر آج روانہ نہ ہوئے تو ایک ہفتے تک دوسری فلائٹ نہ ملے گی۔ اور ان کا بہت نقصان ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ان کی اماں جان بھی بہت بیمار ہیں۔ انہیں ہر قیمت پر آج ہی روانہ ہونا ہے۔ چلو مونا رونا دھونا ہو چکا، یا کچھ باقی ہے۔ بھئی باقی پروگرام وہاں جہاز پر کر لینا۔ مسٹر زندہ دل تمہارے آنسو پونچھ دیں گے۔ ویسے بھی آج میں نے ان کی قسمت کا حال کچھ ایسا بتایا ہے کہ وہ خود بھی آنسو بہاتے جائیں گے۔"

وہ پھر مسٹر زندہ دل کے پاس چلا گیا۔ انہیں مونا کی نماز کا بتایا، پھر واپس آ کر کہا۔ "وہ کہتے ہیں کہ تم مونا کو ایئر پورٹ لے آنا میں ہوٹل جا کر سامان لے کر وہاں پہنچتا ہوں مگر جانے سے پہلے وہ سب سے ملاقات کے خواہاں ہیں۔ امی، وہ آپ سے بطور خاص ملنا چاہتے ہیں۔ آپ پردہ تو نہیں کریں گی؟"

"چلو۔ اب وہ جا ہی رہا ہے، بلا لو، مل لوں۔ میں بھی دیکھوں نگوڑ مارے کا حلیہ کیا ہے؟"

"جی ہاں۔ آخر کو اپنے خاندان میں شامل ہونے والا ہے۔" ہانی نے کہا اور مونا کا سامان صحن میں لا کر رکھ دیا۔ پھر زندہ دل کو بلانے چلا گیا۔ سامان کو دیکھتے ہی شنو نے پھر ہچکیاں لینا شروع کر دیں، اور مون کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا تاکہ اس کی نظر سامان پر نہ پڑے۔ اضطراب اور بے قراری نے اسے اپنی جگہ بیٹھا نہ رہنے دیا۔ وہ اٹھ کر دروازے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ وہ چاہتا تھا اس پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ باہر سے ہانی کی آواز آ رہی تھی۔ وہ مسٹر زندہ دل کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ مون نے اپنی امی کی آواز سنی۔ وہ تعجب سے کہہ رہی تھیں۔ "اوئی اللہ، یہ کیا تماشہ ہے۔" ساتھ ہی شاہد کا بے ساختہ سا قہقہہ، جو سمندر کی لہروں کی طرح بڑھتا جا رہا تھا مگر ادھر شنو کی کھلکھلاہٹ بھی ابھر رہی تھی۔ مون کو زندہ دل نظر نہیں آ رہا تھا البتہ امی اور چھوٹے چچا کی حیرت سے بھری نظریں دروازے پر کھڑے زندہ دل کو دیکھ رہی تھیں

شنو آنسوؤں کی برسات کے ساتھ بے طرح ہنس رہی تھی۔ مون نے آگے بڑھ کر زندہ دل کے چہرے پر نظر ڈالی۔ ہاتھ ملاتے ہوئے وہ خود بہت نروس ہو گیا۔ زندہ دل نے سبز شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی۔ اس کے سیاہ چہرے پر لال نیلی سبز رنگ کی لکیروں کا الجھا ہوا جال بنا ہوا تھا آنکھ کے کناروں کی طرح کٹی کٹی لکیریں۔ اس کے سفید دانت مسکراہٹ سے چمک رہے تھے اور سفید دانتوں کے ساتھ رنگ برنگی لکیروں کا مضحکہ خیز جال اسے اور بھی مضحکہ خیز بنا رہا تھا۔ وہ امی کے سامنے جھکا تو مون نے ہانی کی پسلیوں میں زور سے کہنی ماری۔ وہ بلبلا گیا۔ دانت پیس کر مون نے کہا۔ "کبھی تو سنجیدہ ہو جایا کرو۔ کب تک حماقتیں کرتے رہو گے احمق، نہ وقت کا لحاظ نہ موقعے کا خیال۔"

"آپ سنجیدہ بن کر کیا کر لیتے ہیں۔ جو مجھے نصیحت کر رہے ہیں۔ اُف میری پسلی۔" وہ ہائے ہوئی کرتا ہوا کمرے سے باہر بھاگ گیا۔ اور شنو نے پورا دوپٹہ منہ میں ٹھونس کر اپنا سر امی کی پشت میں گھسا لیا تاکہ اس کی نظریں زندہ دل کے چہرے پر نہ پڑیں۔

اب شاہد بھی سنجیدہ ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر زندہ دل کچھ پریشان اور مرعوب نظر آ رہا تھا۔ وہ ان لوگوں کے رویے کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ جب اسے بتایا گیا کہ مونا نماز پڑھ رہی ہے۔ اسے شاید کچھ دیر لگے تو وہ بغیر کچھ کہے چلا گیا۔

شام چار بجے تک سامان صحن میں ہی پڑا رہا۔ اور چار بجے کے بعد مونا نے عصر کی نماز کی نیت باندھ لی تھی۔